فقر کا دنیا میں واحد ترجمان

ماہنامہ

سلطان الفقر

لاہور

مئی 2013ء

رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

خادم سلطان الفقر

حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن

مدظلہ الاقدس

ھُو

اَللّٰہُ

جل جلالہٗ وعم نوالہٗ



مردِ میداں زندہ از اَللّٰہُ ھُو اَست
زیرِ پائے او جہانِ چار سو اَست

ترجمہ: مردِ میداں (انسانِ کامل) اَللّٰہُ ھُو (اسمِ ذات) سے زندہ ہے اور یہ جہانِ چار سُو اس کے قدموں کے نیچے ہے۔ (اقبال)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جو لوگ ہماری طرف آنے کی جدوجہد اور کوشش کرتے ہیں ہم انہیں اپنی طرف آنے کے راستے دکھا دیتے ہیں۔ (العنکبوت ۶۹)

اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ وَالْفَقْرُ مِنِّیْ

فقر میرا فخر ہے اور فقر مجھ سے ہے (الحدیث)

فقر کا دنیا میں واحد ترجمان

ماہنامہ

سلطان الفقر

لاہور پاکستان

شمارہ نمبر 10 | مئی 2013 | رجب المرجب ۱۴۳۴ھ | جلد نمبر 07



فیضانِ نظر

سلطان الفقر (ششم) حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی رحمتہ اللہ علیہ



زیرِ نگرانی

خادم سلطان الفقر حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمن سروری قادری مدظلہ الاقدس

فہرس

چیف ایڈیٹر: محمد مغیث افضل سروری قادری 0300-4737607

چیف ایڈیٹر: محمد اسد خان سروری قادری 0300-8891452

ایڈیٹر: محمد راشد سروری قادری 0345-4699975

اسسٹنٹ ایڈیٹر: عنبرین مغیث سروری قادری

آرٹ اینڈ لے آؤٹ: محمد ناصر حمید سروری قادری

سرکولیشن: محمود احمد سروری قادری 0322-4722766

زرِ تعاون: فی شمارہ 30 روپے | سالانہ چندہ 350 روپے

مقامِ اشاعت اور پتہ برائے خط و کتابت

سلطان الفقر ہاؤس 4-5/A ۔ایکسٹینشن ایجوکیشن ٹاؤن وحدت روڈ ڈاکخانہ منصورہ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 54790

Tel: 042-35436600, Cell: 0322-4722766 E-mail: sultanulfaqr@tehreekdawatefaqr.com

ہماری درج ذیل ویب سائٹ ملاحظہ فرمائیں:

www.tehreek-dawat-e-faqr.com ● www.sultan-ul-faqr.com ● www.sultan-ul-faqr.tv

اس جریدے میں قرآنی آیات اور احادیث کا بغور مطالعہ کیا جاتا ہے تاہم اس کے باوجود کوئی غلطی نظر آئے تو سہواً ہوگی اور اسکی نشاندہی پر ادارہ آپ کا شکرگزار ہوگا۔ ادارہ کا مضمون اور مراسلہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے

پبلیشر ناصر حمید سروری قادری نے سلطان الفقر پبلیکیشنز (رجسٹرڈ) لاہور کے زیرِ اہتمام آر۔ٹی۔ پرنٹرز لاہور سے چھپوا کر سلطان الفقر ہاؤس 4/A ۔ ایکسٹینشن ایجوکیشن ٹاؤن وحدت روڈ لاہور سے شائع کیا





اللہ محمد

حمدِ باری تعالیٰ

وجودِ اوّل وجودِ دائم، وجودِ یکتا وجود ہر سُو
اس میں شرحِ نابود ایک نکتہ، تو بحرِ وسعت تو بود ہر سُو

ازل سے میرا شعورِ ہستی، ہے غرق تیری تجلیوں میں
سمٹ چکی ہے حیات میری، تیری محبت کا دود ہر سُو

کہاں کے مشرق کہاں کے مغرب، کہاں کی جہتیں کہاں کی سمتیں
تو بے کراں بے کراں تجلی، تو ارتقائے نمود ہر سُو

تُو لامکاں کا مکین ہے لیکن، ترا مکان ایک قلب میرا
میں وسعتوں میں ہوں تیری شامل، اگرچہ میرے ہیں حدود ہر سو

ہے پرتو جلوۂ تبارک، جب آخری منزل عبادت
کہاں سے انورؔ وہ نظر لائیں، کہ ہو نصیب شہود ہر سُو

انوراللہ انورؔ

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

اگر میں عہدِ رسالت مآبؐ میں ہوتا
ضرور حلقۂ عالی جنابؐ میں ہوتا

جو میری سوچ مہکتی ثنا کے پھولوں سے
تو ہر عمل مرا شامل ثواب میں ہوتا

مرے سوال کی لکنت پہ مسکراتے حضورؐ
کرم کا بہتا سمندر جواب میں ہوتا

اگر اعانتِ دیں کے لیے بلاتے حضورؐ
تو میرا ہاتھ بھی دستِ جنابؐ میں ہوتا

میں ایک ایک صدا پر لپٹتا قدموں سے
جو میرا نام بھی شامل خطاب میں ہوتا

میں آنکھ کھول کے پھر خواب کی دعا کرتا
مرا نصیب جو بیدار خواب میں ہوتا

میں جان اپنی نچھاور حضورؐ پر کرتا
مرا بھی ذکر شہیدوں کے باب میں ہوتا

ڈاکٹر خالد عباس الاسدی

الف اللہ چنبے دی بُوٹی میرے من وچ مرشد لائی ھُو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خیالِ خواندن چندیں کتب چرا است ترا
الف بس است اگر فہم ایں ادا است ترا

ترجمہ: تجھ پر اس قدر کتابیں پڑھنے کی دھن کیوں سوار رہتی ہے؟ اگر تُو صاحب فہم ہے تو تیرے لئے "علم الف" (اسم اللہ ذات) ہی کافی ہے۔ (فرمانِ باھُوؒ)

تصرفِ عارف

اے جانِ عزیز! جب آئینہ دِل (باطن) کا ظاہر و باطن مصفّٰی (صاف) اور بے کدورت ہو جاتا ہے، دل کا زنگار اور ظلمت ختم ہو جاتی ہے تو یہ آئینہ اتنا صاف ہو جاتا ہے کہ اس میں کوئی کدورت (غیر ماسویٰ اللہ) باقی نہیں رہتی اور تمام عوالمِ لطیف اور کثیف اس میں منقش ہو جاتے ہیں۔ اس میں اوھامِ کامل پیدا ہو جاتا ہے، جس سے یہ مطلق غناء حاصل کر لیتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ہ (العنکبوت۔ 6) (ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ تمام عالموں سے غنی ہے)۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اسے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور اس کی تمام بشری صفات فنا کر کے بقائے سرمدی عطا کرتا ہے کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ (ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے چہرہ کے سوا تمام چیزیں ہلاک ہونے والی ہیں)۔ اور وہ اس مقام پہ پہنچ جاتا ہے اور تمام موجودات کو مقامِ اطلاق میں پاتا ہے۔ موجودات میں سے ایک ذرہ کا وجود بھی باقی نہیں رہتا اور اُسے ہر چیز میں مطلق حق (ھُو) ہی نظر آتا ہے۔ تمام موجودات کا وجود فنا ہو جاتا ہے اور اس کا وجود باقی رہ جاتا ہے۔

اے جانِ عزیز! جب اوھام کامل ہو جاتا ہے تو اس کا تصرف تمام عالموں پہ جاری ہو جاتا ہے۔ کوئی بھی عالم خواہ وہ ملکوت ہو یا جبروت ہو اُس کے تصرف سے باہر نہیں رہ سکتے۔ جو کچھ بھی اوھام منتہی میں قرار پکڑتا ہے اُسے وہ اس کی غرض سے نواز دیتا ہے۔ تمام فرشتے، تمام ارواح، تمام جن اور تمام انسان اور تمام دیو اس کے تصرف میں آ جاتے ہیں اور وہ انہیں جو کام بھی کہتا ہے وہ تمام کے تمام اس کا حکم بجالاتے ہیں اور ہمیشہ بروقت اس کی رضا کے مطابق کام کرتے ہیں۔ اوہامِ کامل کے مقابلہ میں تمام روحانی ایک ذرہ کی مانند ہیں اور وہ عرش اور کرسی اور قلم اور تمام افلاک کی وسعت کو اپنے فراخ دل میں ایک نقطے کی مانند دیکھتا ہے۔ تاہم اس کی یہ سیر بھی انتہائی سیر نہیں ہوتی۔ جب طالبِ مولیٰ اس مقام پر پہنچتا ہے تو اس کا تصرف ناقص ہو جاتا ہے اگرچہ عالمِ جبروت میں سے کسی کی بھی یہ ہمت نہیں ہو سکتی کہ وہ یہاں تک پہنچے۔ اس جگہ معجزہ اور کرامت ایک تنکے کی مانند ہوتے ہیں۔ وہ اس قدر تصرف رکھنے کے باوجود اپنے تصرف کو قاصد ہی شمار کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کمالِ معرفت کے اعتبار سے کامل تصرف رکھتے تھے جس کی تائید محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ نے بھی فرمائی کُلَّمَا عَمَلَتُ وَمَعْرِفَتُ نَقَضُ تَضَرُ (ترجمہ: معرفت میں جس قدر کمال آتا ہے تصرف میں اسی قدر عاجزی آتی ہے)۔

اس جگہ دو وجہ سے عارفِ کامل کا تصرف ناقص ہوتا ہے۔ پہلا یہ کہ جب اُسے معرفتِ کمال حاصل ہوتی ہے تو اُسے عبودیت میں بھی کمال حاصل ہو جاتا ہے۔ پس بندہ کی کیا قدرت اور مجال کہ وہ صاحبِ کمال کے سامنے اُسی کی مملکت اور ملک میں کچھ تصرف کرے حَاشَا وَ کَلَّا ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی کو عبودیت میں اس قدر کمال حاصل ہو اور وہ عبودیت کے اس کمال کو سمجھتا بھی ہو پھر بھی وہ مُلکِ مولا میں تصرف کرے۔ پس عجیب بات ہے کہ وہ کس طرح عبودیت کے کمال پہ اپنا تصرف استعمال کرے۔ پس ضرورت اس بات کو جاننے کی ہے کہ جس قدر معرفت میں ترقی آتی ہے اُسی قدر تصرف ناقص ہوتا جاتا ہے۔ نظر اپنے آپ پر نہیں رہتی۔ اُس کے نزدیک خوشی اور غمی برابر ہو جاتے ہیں کہ:

اگر سلطان مارا بندہ باشی! ہمہ گریند تو درخندہ باشی!

ترجمہ: اگر تُو سلطان کا غلام بن جائے تو تجھے ہر وقت رہنے والی خوشی نصیب ہو جائے گی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب معرفت حاصل ہوتی ہے تو توحیدِ کمالِ مطلق ظاہر ہو جاتی ہے اور اس کے دِل سے غیر کا وجود اور نام نکل جاتا ہے۔ اُس کے نزدیک متصرف، مصرف اور تصرف ایک ہو جاتے ہیں۔

پس ان دو طریقوں سے عارفِ کامل کا تصرف ناقص ہوتا ہے اور توحیدِ کمال میں اس طرح غرق ہو جاتا ہے کہ اُسے کسی چیز کا شعور نہیں رہتا۔

(سلطان الوھم۔ تصنیفِ لطیف سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ۔ مترجم حافظ حماد الرحمٰن سروری قادری)



یومِ وصال۔22 جمادی الثانی

خلیفۃ الرسول

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حافظ حماد الرحمٰن سروری قادری (ایم ایس سی باٹنی)

زمانہ جاہلیت میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا نام عبدالکعبہ تھا۔ بعد اسلام حضرت سرورِ کائنات ﷺ نے عبداللہ نام تجویز فرمایا۔ کنیت ابوبکر اور لقب صدیق اور عتیق ہیں لیکن آپ ؓ بالعموم اپنی کنیت سے مشہور ہوئے۔ قریش کی شاخ بنوتیم سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ ؓ کا شجرہ نسب چھٹی پشت پر رسول کریم ﷺ سے مرہ بن کعب پر پہنچ کر مل جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر ؓ عام الفیل کے ڈھائی برس بعد پیدا ہوئے، والد کا نام عثمان ابو قحافہ تھا جو 8ھ میں فتح مکہ کے وقت نوے برس کی عمر میں اسلام لائے۔ والدہ کا نام سلمیٰ، کنیت ام الخیر تھی۔ ہجرت مکہ سے قبل ہی اسلام سے مشرف ہوگئیں تھیں۔

ذریعہ معاش تجارت تھا۔ زیادہ تر کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ سلسلۂ تجارت میں شام اور یمن کے متعدد سفر کیے تھے۔ پہلا سفر اٹھارہ برس کی عمر میں کیا۔ ایمانداری اور محنت کے باعث اللہ کا فضل شاملِ حال تھا اور تجارت میں کثیر منافع کماتے تھے۔ مکہ روسائے عرب کا شہر تھا۔ آپ ان روساء کی پہلی صف میں شمار کیے جاتے تھے۔ قبول اسلام کے وقت آپ ؓ کے پاس چالیس ہزار اشرفیاں تھیں۔ آپ ؓ مکہ کے چند پڑھے لکھے افراد میں سے تھے اور بڑے بلند پایہ ماہرِ انساب تھے۔ حسنِ اخلاق ہمدردی، وسعتِ معلومات، دانشمندی اور معاملہ فہمی وہ اوصاف ہیں جن میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ قبل اسلام بھی ممتاز تھے۔ ان ہی صفات کی وجہ سے لوگ ان کے گرویدہ تھے۔ اہم معاملات میں ان سے مشورہ لیتے اور ان کی رائے پر اعتماد کرتے۔ قبیلہ قریش کی تاریخ، اُس کی مختلف شاخوں اور خاندانوں کی قرابت و نسب جاننے والا ان کے عہد میں اُن سے زیادہ کوئی نہ تھا۔

قبائل عرب صدیوں سے آزاد تھے اور ان پر کوئی بادشاہ حکمران نہ تھا۔ قبیلوں کے سردار ہی معاملات کو طے کرتے۔ چنانچہ مقدمات کا تصفیہ کرتے وقت اکثر آپ ؓ کی طرف رجوع کیا جاتا اور آپ ؓ کی رائے بڑی دقیع ہوتی۔ جب کسی قبیلہ میں کوئی خون ہوجاتا تو اگر صدیق اکبر ؓ خون بہا کی ضمانت دے دیتے تو قبول ہوتی، کسی دوسرے کی ضمانت قبول نہ کی جاتی۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ زمانہ جاہلیت میں بھی عربوں میں رائج متعدد عیوب اور اخلاقی بے راہ رویوں سے مکمل طور پر بچے ہوئے تھے۔ آپ ؓ اس عہد کی بت پرستی سے بھی بیزار تھے۔ دیگر عربوں کی طرح شراب یا دوسری نشہ آور اشیاء کو بالکل ناپسند کرتے تھے۔ ان معاشرتی برائیوں کی بجائے وہ اپنی شخصیت کو اخلاقی اوصاف سے اجاگر کرتے۔ اس لیے انہوں نے بچپن سے ہی سادگی، شستگی اور بردباری اختیار کر لی تھی۔ بعد از قبولِ اسلام کسی نے پوچھا ''اے ابوبکر ؓ! کیا تم نے جاہلیت میں شراب پی تھی؟'' آپ ؓ نے فرمایا ''میں ہمیشہ اپنی عزت اور انسانیت کی حفاظت کرتا تھا اس لیے کہ جس نے شراب پی، اس نے اپنی عزت اور انسانیت کو ضائع کر دیا۔''

شراب نوشی، قمار بازی، زنا اور بت پرستی قبل از اسلام عرب میں اس قدر عام تھی کہ اس سے بچے رہنا محال بلکہ ناممکنات میں سے تھا لیکن آپ ؓ کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول اللہ ﷺ کے عزیز ترین رفیق کے طور پر چن لیا ہوا تھا اس لیے زمانہ جاہلیت کی ہمہ گیر نجاست بھی آپ ؓ کے دامنِ عفت کو داغدار نہ کر

سکی۔ اللہ نے آپ ؓ کو ایسے اوصاف سے نوازا جو رسول اللہ ﷺ کے مقرب ترین مصاحب کو سزاوار تھے۔ آپ ؓ ہمیشہ سے ہی نہایت سخی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے تھے۔ جس قدر آمدنی ہوتی غربا و مساکین میں تقسیم کر دیتے۔ ایک روز سرورِ کائنات ﷺ کی خدمت میں مہاجرین و انصار کا اجتماع تھا۔ جناب ابوبکر صدیق ؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا ''یا حضرت ﷺ! بخدا میں نے جاہلیت میں بھی کبھی بت کو سجدہ نہ کیا بلکہ موقع پا کر ان کو توڑ دیتا تھا۔''

اس دور میں قبیلہ عرب اپنی علمی و ادبی حیثیت اور فصاحت و بلاغت میں دیگر تمام قبائل سے ارفع اور سربلند سمجھا جاتا تھا، اس تمام قبیلے کے پڑھے لکھے لوگوں میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنی زبان دانی، فصاحت و بلاغت اور خطابت و ذہانت کے باعث بھی ایک اہم اور امتیازی مقام حاصل کر لیا تھا۔

بعض تذکروں میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ عربوں کی نفسیات سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔ اس لیے وہ انہیں اپنے حسنِ سلوک اور ذاتی کردار و عمل سے متاثر کرنا خوب جانتے تھے۔ وہ لوگوں کی دلجوئی کر کے ان کے دل اپنی خوش خلقی سے بآسانی جیت لیتے تھے۔ ان اوصاف اور خوبیوں کی بنا پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ قبل از اسلام ہی قریش کے نوجوانوں میں معزز اور محترم تھے۔ اُن کی صفات کی شہرت نواحِ مکہ تک محدود نہ تھی بلکہ ابنِ الدغنہ کا قول ہے کہ ان کی اخلاقی خوبیاں دور دور تک مسلّم تھیں اور لوگ آپ سے دوستی کرنے کو باعثِ فخر سمجھتے۔ یہ تمام اوصاف بتاتے ہیں کہ حضرت ابوبکر ؓ زمانہ جاہلیت میں بھی ایک سلیم الطبع، غم خوار، دانش مند اور زندہ دل انسان تھے۔ جس انسان میں یہ صفات ہوں وہ بہترین دوست اور ہم دم بن سکتا ہے اور انہی اوصاف کی بدولت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام قبیلہ قریش میں سے حضرت ابوبکر ؓ کو اپنے قریب ترین محرم راز اور غم گسار دوست ہونے کا شرف بخشا۔ ایک بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوبکر ؓ کے متعلق فرمایا ''میں نے ابوبکر (ؓ) سے بڑھ کر کسی شخص کو حلیم اور شفیق نہیں دیکھا۔''

حلیہ مبارک

حضرت ابوبکر صدیق ؓ سرخ و سفید رنگت کے دبلے پتلے آدمی تھے۔ آنکھیں گہری اور پیشانی ابھری ہوئی تھی۔ کمر قدرے جھکی ہوئی تھی۔ قدموزوں۔ ریش کو حنا سے رنگین کیا کرتے تھے۔ سر کے بال گھنگھریالے تھے۔ بات بہت کم کرتے تھے۔ جو کہتے سنجیدہ کہتے۔ اندازِ کلام ذوق و محویت کی شان لیے ہوئے تھا۔

تعلقِ محبّ و محبوب

یہ باوقار، سنجیدہ، پرخلوص و بااخلاق ہستی محبوب الٰہی ﷺ کی محبّ بھی تھی اور محبوب بھی۔ محبوبیت کی وجہ صرف مندرجہ بالا اوصاف ہی نہ تھے بلکہ خاص تعلق اور محبت و اعتماد کا وہ رشتہ تھا جو دونوں رفقا کا ایک دوسرے کے لیے یکساں تھا۔ اگر ایک طرف حضرت ابوبکر صدیق ؓ اپنے محبوب دوست کے اعلانِ نبوت پر فوراً ایمان لائے اور معراج جیسے محیر العقول واقعے کی بلا تردد تصدیق کی تو دوسری طرف آنحضرت ﷺ نے بھی ہر موقع پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو سب سے پہلے اپنا محرمِ راز بنایا اور ہمیشہ ان کے مشورہ پر عمل کیا، ہجرت جیسے خطرناک سفر کے لیے انہیں اپنا رفیق چنا۔ اپنے اس عزیز رفیق کی دوستی کو رشتہ داری میں تبدیل کرنے کے لیے ان کی لاڈلی بیٹی حضرت عائشہؓ کو نکاح کا شرف بخشا، یہاں تک کہ اپنے وصال سے پہلے اپنے اس باعتماد دوست کی امامت میں نماز پڑھ کر یہ اشارہ بھی دے دیا کہ وہ اپنی محبوب اور نوخیز امت کی خلافت سنبھالنے کے لیے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے سوا کسی پر اعتماد نہیں کر سکتے۔ اگر اندازہ لگایا جائے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب ترین رہنے والی ہستیوں میں سے سب سے زیادہ وقت حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے آپ ﷺ کے قرب میں گزارا۔ آپ دونوں کی دوستی و رفاقت زمانہ جاہلیت سے لے کر وصال تک محیط تھی اور یہ وقت جو دونوں نے ساتھ گزارا ہمیشہ انتہائی خلوص، وفاداری اور محبت کے عالم میں گزارا۔ زندگی بھر کی رفاقت میں ایک لمحہ بھی اعتراض و ناراضی کو دونوں رفیقوں کے درمیان آنے کی جگہ نہ ملی۔ یہ رفاقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے اس قدر اہم تھی کہ انہوں نے اسے دائمی بنانے کا اعلان اپنی حیات میں ہی کر دیا۔ حضرت ابوبکر ؓ کو مخاطب کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میرے رفیقِ حوض (کوثر) اور میرے رفیقِ غار ہو۔

ایک دوسری روایت بھی آپ دونوں کی دائمی و ابدی رفاقت کی گواہی دیتی ہے:

❁ ایک روز سرورِ عالم ﷺ اپنے دولت خانہ سے مسجد میں اس شان سے تشریف لائے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت عمر ؓ آپ ﷺ کے دائیں اور بائیں تھے اور آپ ﷺ ان کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور فرمایا ''ہم اسی طرح قیامت کے دن اٹھیں گے۔''

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک ذات منبع انوار و تجلیاتِ الٰہیہ ہے۔ آپ ﷺ کی بارگاہ میں محبت (کامل ایمان) اور خلوص کی حالت میں حاضر ہونے والا ہر صحابی ان انوار و تجلیاتِ الٰہیہ سے فیض یاب ہوتا اور قربِ الٰہی میں ترقی پاتا۔ اس لحاظ سے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا صحبتِ محمدی ﷺ میں گزرنے والا وقت نہ صرف دیگر صحابہ کرام ؓ کے مقابلے میں سب سے طویل ترین تھا بلکہ عشق و ایمان، خلوص و تقویٰ کے لحاظ سے بھی سب سے کامل تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے مشکوٰۃ نبوت ﷺ سے تجلیاتِ الٰہیہ کو سب سے بڑھ کر حاصل کیا۔ محبت و خلوص کی کامل ترین صورت حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے قلب مبارک تک انوارِ محمدی ﷺ کس سرعت و تعداد میں منتقل ہوتے ہوں گے، اس کا اندازہ لگانا ناممکن ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا قلب، قلبِ محمدی ﷺ کا عکس تھا جس کا ثبوت یہ حدیث مبارک ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ

فرمانِ باھُوؒ

ذکرِ خفیہ کا تعلق نصیحت و وعظ سے ہے نہ صوت و آواز سے، بلکہ ذکرِ خفیہ کا تعلق معرفتِ الٰہی، مشاہدۂ قربِ حضور اور مشاہدۂ نورِ راز سے ہے۔ ذاکرِ خفیہ صاحبِ زاد (مالکِ کُل)، صاحبِ آزاد، باطن آباد اور شوقِ شغل ''اَللّٰہُ'' میں شاد ہوتا ہے۔ ذاکرِ خفیہ علم میں عامل اور فقر و معرفت میں کامل ہوتا ہے، اُس کا حوصلہ وسیع ہوتا ہے اور وہ راہِ حق میں صعوبتیں برداشت کرنے والا ہوتا ہے۔ ذاکرِ خفیہ کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ چار نگاہوں سے کام لیتا ہے یعنی نگاہِ ازل، نگاہِ ابد، نگاہِ دنیا اور نگاہِ عقبیٰ۔ جب وہ کسی طالب پر اخلاص کی نگاہ ڈالتا ہے تو ایک ہی نظر میں اُسے تمام مطالب اور تمام مراتب تک پہنچا دیتا ہے اور خود ہر وقت توحیدِ الٰہی میں غرق رہتا ہے۔ یہ ہے مرتبہ شاہراہِ شریعت پر گامزن ذاکرِ خفیہ کا۔ ذاکرِ خفیہ کو کسی کا خوف ہوتا ہے نہ کسی امید کی امید ہوتی ہے کہ وہ ہر وقت معیتِ خدا میں غرق رہتا ہے۔ ذکرِ خفیہ اولیائے اللہ کا مرتبہ ہے جس کے متعلق فرمانِ حق تعالیٰ ہے ترجمہ: بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے نہ غم۔ (محک الفقر کلاں)

نے جو کچھ میرے دل میں ڈالا وہ میں نے ابوبکر (ؓ) کے دل میں ڈال دیا۔'' آپ ؓ کے قلب و باطن کو قلبِ محمدی ﷺ سے اس قدر قربت و مناسبت کی وجہ سے ہی آپ ؓ کو افضل البشر بعد الانبیاء کا خطاب عطا ہوا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ ؓ کے متعلق فرمایا ''ابوبکر (ؓ) کی فضیلت نماز اور روزوں کی کثرت کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے قلب میں قرار پانے والی ایک اعلیٰ چیز کی وجہ سے ہے۔'' اور وہ اعلیٰ چیز نورِ محمدی ﷺ یا حقیقتِ محمدیہ ﷺ ہے جو عشقِ محمدی ﷺ کا نتیجہ ہے۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر موقع پر ارشاد فرماتے ''انا و ابوبکر (ؓ) و عمر (ؓ)'' یعنی میں اور ابوبکر (ؓ) اور عمر (ؓ)۔ ایک موقع پر فرمایا ''قیامت کے روز سب سے اول میری قبر کشادہ ہوگی پھر ابوبکر (ؓ) کی اور پھر عمر (ؓ) کی۔'' اور فرمایا ''میری امت میں سب سے پہلے ابوبکرؓ داخل جنت ہوں گے اور دعا فرمائی ''الٰہی ابوبکر (ؓ) کو جنت میں میرے درجہ میں جگہ دینا۔'' اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں کہ سلوکِ رفاقت کن مقاماتِ عالیہ تک پہنچا ہوا تھا۔ ایک موقع پر قربت کی وضاحت کے لیے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''ابوبکر (ؓ) و عمر (ؓ) میرے سمع و بصر ہیں۔''

قلبِ محمدی ﷺ سے اس قربت کی بدولت حضرت ابوبکر صدیق ؓ ہر مشکل سے مشکل حالت میں بھی پُرسکون دکھائی دیتے۔ صلح حدیبیہ کے نازک موقع پر جب تمام صحابہ کرام ؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیصلے پر حالتِ اعتراض میں برہم بیٹھے تھے' حضرت ابوبکر ؓ مکمل طور پر پُرسکون اور محبوب کی رضا پر راضی تھے۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے موقع پر حضرت عمر ؓ جیسے بلند حوصلہ والے اور شیرِ خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم جیسے شجاع کے دل بھی دہل گئے' جبکہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نہ صرف خود پُرسکون رہے بلکہ تمام صحابہ کرام ؓ کو بھی حوصلہ دیا اور سنبھالا۔ حالانکہ تاریخ گواہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ انتہائی دردمند دل رکھتے تھے اور رقیق القلب تھے لیکن آپ ؓ نورِ محمدی ﷺ کا سب سے زیادہ حصہ اپنے قلب میں اتار چکے تھے اور بظاہر جدا ہو کر بھی بباطن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جدا نہ ہوئے تھے۔ آپ ؓ محبوبیت کا مقام اَنَا اَنْتَ وَاَنْتَ اَنَا (میں تو ہوں اور تو میں ہے) حاصل کر چکے تھے اور اس مقام قرب کی وجہ سے پُرسکون رہے۔

محبوبیت کا یہ مقام صرف صحبت محمدی ﷺ میں سب سے زیادہ وقت گزارنے سے ہی حاصل نہ ہوا تھا بلکہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے قبول اسلام سے لے کر اپنی وفات تک ہر لمحہ اپنے عشقِ رسول ﷺ کا عملی ثبوت بھی پیش کیا اور اس کے لیے اپنی ذات سے منسلک ہر شے کو محبتِ رسول اللہ ﷺ پر قربان کر دیا۔ خود پر ماسویٰ اللہ ہر شے کو حرام کیے رکھا۔ قبولِ اسلام کے وقت آپ ؓ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے اور وصال کے وقت نقد ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔ تمام عمر دینِ محبوب ﷺ کی خاطر کماتے اور خرچ کرتے رہے۔ رضائے محبوب ﷺ پانے کے لیے کئی مسلمان غلام خرید کر آزاد کرائے۔ ہجرت کے وقت پاس پانچ ہزار درہم تھے۔ وہ بھی ساتھ لے گئے کہ راہ میں یا مدینہ پہنچ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں خرچ کر سکیں حالانکہ مکہ سے رخصت ہوتے ہوئے پیچھے بوڑھے والدین اور اہل و عیال کو بھی چھوڑے جا رہے تھے لیکن ان کی گزر بسر کی چنداں پرواہ نہ کی اور انہیں خونخوار کفار کے نرغے میں اللہ کے سہارے چھوڑ کر تمام مال اور اپنی ذات محبوب کی خدمت میں وقف کر دی۔ مدینہ پہنچ کر تمام مال مسجد نبوی کی تعمیر اور مہاجرین کی آبادکاری کے لیے دے دیا اور خود کندھے پر چادریں رکھ کر بیچنا شروع کیں۔ اب بھی جو کماتے اس میں سے اپنی گزر بسر کے لیے انتہائی قلیل رقم رکھ کر باقی تمام اشاعتِ دین کے لیے محبوب ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر ایک بار پھر اپنی اور اپنے اہل و عیال کی تمام تر ضرورتوں کو نظر انداز کر کے اپنا تمام مال، یہاں تک کہ کُرتے کے بٹن بھی خدمت اقدس میں پیش کر دیئے۔ خلوصِ نیت اور محبت سے پیش کیے گئے اس مال نے دینِ اسلام کو سب سے زیادہ تقویت پہنچائی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشن میں سب سے زیادہ معاون و مددگار ثابت ہوا۔ حدیث پاک میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوبکر ؓ کی مالی قربانیوں کو سراہتے ہوئے فرمایا ''ہم پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ ہم نے نہ

دے دیا ہو سوائے ابوبکرؓ کے، کہ ان کا جو احسان ہمارے ذمہ ہے اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دے گا اور کبھی کسی کے مال نے وہ نفع مجھ کو نہیں دیا جو ابوبکر (ؓ) کے مال نے دیا۔" حضرت ابوبکر ؓ اس ارشاد مبارک کو سن کر روئے اور فرمایا "یا رسول اللہ ﷺ کیا میرا مال آپ ﷺ کا مال نہیں ہے۔"

عشقِ نبی ﷺ میں مال تو کیا جان وتن کا بھی ہوش نہ رہتا۔ آپ ؓ کے لیے جان و مال کی اصل طہارت یہ تھی کہ آپ ؓ اپنے مال اور اپنی ذات کو اپنی ملکیت نہیں بلکہ دونوں کو حضرت محمد ﷺ کی ملکیت جانتے اور مانتے تھے۔ اُس مبارک تن پر گزرنے والی تکلیف کی پروا اپنی تکلیف سے کہیں بڑھ کر تھی بلکہ اُن کی محبت میں اپنی تکلیف تو بھول ہی چکی تھی۔

آغازِ اسلام میں جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے اصرار پر انہیں سرِ عام تبلیغ کی اجازت دی تو حضرت ابوبکر ؓ اس مقصد کے لیے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ مسجد حرام میں تشریف لے گئے اور پہلی بار حضرت ابوبکر ؓ نے لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف کھلم کھلا دعوت دی۔ اس پر کفار اور مشرکین ان پر ٹوٹ پڑے اور انہیں گرا کر مارنے لگے۔ عتبہ بن ربیعہ نے جوتوں سے ان کے چہرہ مبارک پر اتنا مارا کہ چہرہ لہولہان ہوگیا۔ وہ ان کے پیٹ پر چڑھ کر کودتا بھی رہا۔ آپ ؓ کے قبیلہ والوں نے آکر آپ ؓ کو بچایا اور چادر میں ڈال کر گھر لے گئے۔ تمام دن آپ ؓ بے ہوش رہے۔ دن کے آخر میں جب آپ ؓ کو ہوش آیا تو اپنی حالت کو فراموش کر کے پہلا سوال یہی پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے۔ اس پر پہلے تو ان کی والدہ نے کہا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ پھر اُم جمیل ابن خطاب کے ذریعے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ صحیح اور تندرست ہیں۔ اس حالت میں جبکہ آپ ؓ کے لیے بستر سے اٹھنا بھی محال تھا، جب تک خود جا کر اپنے محبوب ﷺ کو اپنی آنکھوں سے صحیح سلامت دیکھ نہ لیا تسلی نہ ہوئی۔ اپنے عزیز دوست کی یہ حالت دیکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر انتہائی رقت طاری ہوگئی اور انہوں نے بے اختیار حضرت ابوبکر ؓ کو چوم لیا۔

ہجرت کے موقع پر بھی غار ثور تک کا طویل اور کٹھن راستہ حضرت ابوبکر ؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے کندھوں پر سوار کرا کے طے کیا کہ کہیں پتھریلے راستے پر سفر کرتے ہوئے پیارے محبوب ﷺ کے پائے مبارک زخمی نہ ہو جائیں۔ کیا اس راستے پر سفر کرتے ہوئے آپ ؓ کے اپنے پاؤں زخمی نہ ہوئے ہوں گے؟ لیکن آپ ؓ نے اس کی بالکل پروا نہ کی۔ غار میں آنحضور ﷺ کے داخل ہونے سے پہلے خود اسے اچھی طرح صاف کیا تمام سوراخوں کو اپنا لباس پھاڑ کر بند کیا پھر بھی ایک سوراخ بچ گیا تو اس پر اپنا پاؤں رکھ دیا جس پر ایک سانپ (یا بچھو) ڈستا رہا۔ آپ ؓ مسلسل تکلیف برداشت کرتے رہے لیکن اپنے زانو پر سوئے ہوئے پیارے محبوب کی نیند میں خلل نہ آنے دیا اور پاؤں کو اپنی جگہ سے نہ ہٹایا۔ کیا ایسے عشق کی مثال دنیا میں کہیں اور مل سکتی ہے؟ ہر غزوہ میں حضرت ابوبکر ؓ ہمہ وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اردگرد ہی ڈھال بن کر منڈلاتے رہتے کہ دشمن کا کوئی وار بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچنے سے پہلے آپ ؓ پر آئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی حضرت ابوبکر ؓ کو پہنچنے والی تکلیف گوارا نہ تھی۔ ایک بار جب حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت عمر ؓ کے درمیان کچھ اختلاف ہوگیا اور حضرت ابوبکر ؓ کے معافی مانگنے پر بھی حضرت عمر ؓ نے قبول نہ کی تو حضرت ابوبکر ؓ نے معاملہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کیا۔ کچھ دیر بعد جب حضرت عمر ؓ نادم ہو کر حضرت ابوبکر ؓ کو تلاش کرتے ہوئے خدمتِ اقدس میں پہنچے تو حضور نبی اکرم ﷺ کے چہرۂ انور کا رنگ بدل گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا "بے شک جب اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث فرمایا تو تم سب لوگوں نے میری تکذیب کی لیکن ابوبکر (ؓ) نے میری تصدیق کی اور پھر اپنی جان اور مال سے میری خدمت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ پھر دو مرتبہ فرمایا "کیا تم میرے ایسے ساتھی سے میرے لیے درگزر (نہیں) کرو گے؟" اس کے بعد حضرت ابوبکر ؓ کو کبھی اذیت نہیں دی گئی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زبان جو وحی الٰہی کی ترجمان ہے' سے حضرت ابوبکر ؓ کے فضائل کے بیان میں 181 حدیثیں مروی ہیں۔ ان کے علاوہ 88 حدیثیں ایسی ہیں جن میں حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمر ؓ کی فضیلت کا اکٹھے بیان آیا ہے۔ سترہ حدیثوں میں حضرت ابوبکر ؓ' حضرت عمر ؓ اور حضرت عثمان ؓ کے فضائل بیان کیے گئے ہیں اور 14 حدیثوں میں چاروں خلفاء کے فضائل مجموعی طور پر مذکور ہیں اور 16 حدیثوں میں خلفائے اربعہ کے ساتھ دوسرے صحابہ کرام ؓ بھی شریکِ فضائل ہیں۔ اس طرح (181+88+17+14+16 = 316) تین سو سولہ احادیث حضرت ابوبکر ؓ کے فضائل میں روایت کی گئی ہیں۔ یہ تعداد تو ان احادیث کی ہے جو مخصوص نام کے ساتھ ہیں۔ جن ہزاروں احادیث میں مہاجرین' مومنین' اہل بدر' اہلِ ایمان کے فضائل مذکور ہیں، وہ بھی حضرت ابوبکر ؓ کی شان میں صادق آتی ہیں۔

فضیلت ابوبکر صدیق ؓ بزبانِ قرآن

نہ صرف احادیث مبارکہ بلکہ قرآن میں خود اللہ تعالیٰ بھی حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے فضائل بیان کرتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

❁ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى O الَّذِیْ يُؤْتِیْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى O وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى O اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى O وَلَسَوْفَ يَرْضٰى O (سورۃ الیل 17-21)

ترجمہ: اور آگ سے بچے گا وہ بہت متقی جو اپنا مال خرچ کرتا ہے اور کسی کا اس پر احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جا رہا ہو مگر (صرف) رب اعلیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے (وہ اپنا مال خرچ کرتا ہے) اور وہ عنقریب راضی ہو جائے گا۔

علامہ ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ اجماعِ اُمت اس پر ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے حق میں نازل ہوئی۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے لیے اَتْقٰی (سب سے زیادہ پرہیزگار) کا لفظ استعمال کیا ہے اور ایک دوسری آیت میں فرمایا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ترجمہ: ''بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے بزرگ (عزت والا) وہ ہے جو پرہیزگار ہے۔'' ان دونوں آیتوں کے مفہوم ملانے سے اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ تمام صحابہ کرام ؓ میں سے اللہ کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق ؓ ہی بزرگ ترین تھے۔ مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو اپنی عطا سے راضی کر دینے کا بھی وعدہ فرمایا ہے۔ یہ ہی وعدہ اللہ تعالیٰ نے آیت وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (الضحیٰ۔5) (ترجمہ: عنقریب آپ (ﷺ) کا رب آپ (ﷺ) کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ (ﷺ) راضی ہو جائیں گے) میں اپنے محبوب سرورِ کائنات ﷺ سے بھی فرمایا ہے۔ اس سے بھی حضرت ابوبکر ؓ کے علو مرتبہ کا پتہ چلتا ہے۔ وہ عطا کیا ہے جس کے باعث حضرت ابوبکر ؓ تمام امت میں سربلند و سرفراز ہو جاتے ہیں' اس کی طرف ایک حدیث پاک میں اشارہ کیا گیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''اے ابوبکر (ؓ) اللہ تعالیٰ نے تم کو سب سے بڑی خوشنودی سے سربلند فرمایا ہے۔'' عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ سب سے بڑی خوشنودی اللہ تعالیٰ کی کیا ہے۔'' فرمایا ''اللہ تعالیٰ مخلوق کے لیے عام تجلی فرمائے گا اور تمہارے واسطے خاص تجلی۔'' اس تجلیٔ خاص کے متعلق اس آیت مبارکہ میں بھی بیان کیا گیا ہے ترجمہ: ''اگر تم میرے حبیب کی امداد نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی امداد کی جب کافروں نے انہیں نکالا اس حال میں کہ وہ دو میں سے دوسرے تھے جب کہ وہ دونوں غار میں تھے اور وہ اپنے صاحب کو کہہ رہے تھے کہ غمگین نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص سکون (ان پر) نازل فرمایا۔'' یہ سکون ہی وہ خاص تجلی ہے جو غارِ ثور کے لمحات کے بعد سے ہمیشہ حضرت ابوبکر ؓ کے ساتھ ساتھ رہی اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے قلب مبارک پر خاص انعام تھا، بسبب اس اعانت و امداد کے جو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کی جبکہ باقی تمام لوگوں نے انہیں جھٹلایا اور ستایا جیسا کہ مندرجہ بالا آیت میں مذکور ہے۔ حضرت حسن بصری ؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر ؓ کے علاوہ تمام اہلِ زمین پر عتاب فرمایا ہے۔ یہ آیت مبارکہ اس موقع سے متعلق نازل ہوئی جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابوبکر ؓ ہجرت کے موقع پر تین دن کے لیے غارِ ثور میں پناہ لیے ہوئے تھے۔ کفار ان دونوں کی تلاش میں غار کے منہ پر آ کھڑے ہوئے۔ ایسے میں حضرت ابوبکر ؓ کچھ گھبرا گئے اور فرمایا ''یارسول اللہ ﷺ اب تو ہم پائے گئے۔'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قلب مبارک پُرسکون تھا آپ ﷺ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا ''ما ظنك باثنين الله ثالثهما'' یعنی ''اے ابوبکر تمہارا ان دو کی نسبت کیا گمان ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔'' یہ ارشاد مبارک حضرت ابوبکر ؓ کی شان کا مکمل بیان ہے۔

قربِ الٰہی کا یہ وہ مقام ہے جہاں صرف اللہ' اس کا رسول ﷺ اور رفیقِ نبوت صدیقِ اکبر ؓ ہیں۔ اس سے زیادہ قربِ الٰہی اور قربِ رسالت کسی اور کو کہاں نصیب ہوا ہوگا۔ یارِ غار نے یہ قرب اور معیت اپنی جان، مال' اہل و عیال' نفس کی آسائشات، غرض جو کچھ ان کی بساط میں تھا، سب کچھ محبوب خدا ﷺ پر قربان کر کے حاصل کی تھی۔ آج بھی قربِ الٰہی اور قربِ رسالت حاصل کرنے کا راستہ وہی ہے' جو حضرت ابوبکر ؓ نے متعین کر دیا۔ اگرچہ یہ کسی طالبِ مولیٰ کی بساط میں نہیں کہ وہ ان کی ہوبہو پیروی کر سکے لیکن ان کا دکھایا ہوا راستہ ہی قربِ الٰہی کا راستہ ہے۔ اسی پر چل کر قربِ الٰہی اور قربِ محمدی ﷺ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ جو طالب ارادت میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی پیروی اور تقلید کرے گا وہی دربارِ رسالت میں مقبول اور مامون ہوگا۔ اسی بنا پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ عارفین' صادقین اور عاشقین کے امام ہیں اور اسی لیے سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھوؒ نے فرمایا ''پیر کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح اور مرید کو حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی طرح ہونا چاہیے۔''

غزوہ تبوک کے موقع پر جب حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنا تمام مال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کر دیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوال ''ابوبکر (ؓ) کیا اہل و عیال کے لیے بھی کچھ چھوڑا ہے'' کے جواب میں حضرت ابوبکر ؓ کا تاریخی جملہ ''ان کے لیے اللہ اور اس کا رسول چھوڑ آیا ہوں'' فقر و تصوف کا نچوڑ ہے۔ بے شک ایک طالب کا اصل اثاثہ قیمتی ترین سرمایہ اور واحد دائمی رشتہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی ہیں۔ جس نے ان کو پالیا اسے کسی اور شے کی حاجت نہیں رہتی۔ فقر و تصوف کی تعریف بھی یہ ہی ہے کہ انسان کے ظاہر و باطن میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کچھ نہ رہے جس کا عملی مظاہرہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے غزوہ تبوک کے موقع پر کیا۔

خصائل و اوصافِ عظمیٰ

اگرچہ قبولِ اسلام سے قبل بھی حضرت ابوبکر صدیق ؓ پاک باطن' نیک طینت اور شرافت و اخلاق کے اعلیٰ اوصاف سے مزین تھے لیکن نورِ ایمان اور صحبتِ نبوت نے ان کے ظاہری اور باطنی اوصاف کو مزید جلا بخشی۔ نورِ محمدی ﷺ ان کے ظاہر و باطن سے چھلکتا اور انہیں ہر حالت میں ثابت قدم رہنے اور ہر طرح کے مسائل سے بخوبی نبٹنے کی قوت عطا کرتا۔ یہی نور انہیں فراست و حکمت و تدبر سے آراستہ کرتا اور اخلاق کی اعلیٰ ترین خوبیوں سے نوازتا۔ شجاعت' سخاوت' خطابت' شفقت' انکسار' ایثار غرضیکہ وہ کون سی انسانی خوبی ہے جسے اللہ نے تخلیق کیا اور وہ حضرت ابوبکر ؓ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تربیت اور صحبت میں بدرجۂ اتم حاصل نہ ہوئی۔ ایک بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''دنیا میں تین سو ساٹھ اچھے خصائل ہیں۔'' اس پر حضرت ابوبکر

صدیق ؓ نے دریافت کیا ''یا حبیب اللہ ﷺ کیا ان میں سے کوئی مجھ میں بھی ہے'' تو آپ ﷺ نے جواب دیا ''اے ابوبکر (ؓ) یہ تمام اچھے خصائل تجھ میں ہی تو موجود ہیں۔'' حضرت ابوبکر ؓ کے عمدہ خصائل و اوصاف نے بھی دینِ اسلام اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسی طرح تقویت دی جس طرح ان کے مال نے۔

فہم وفراست

آپ ؓ ہر معاملے میں آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بہترین مشیر تھے اور ہر موقع پر اپنی فہم وفراست اور حکمت و تدبر کو بروئے کار لاتے ہوئے ہمیشہ موقع کی مناسبت سے بہترین مشورہ دیتے جس سے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہوجاتی۔ اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود فراست وحکمت کے اس مقام پر ہیں کہ انہیں کسی مشورے کی حاجت نہ تھی لیکن حضرت ابوبکر ؓ سے مشورہ کرنے میں ان کی فہم اور نورِ فراست کا اظہار مقصود تھا۔

شاہ ولی اللہ ؒ ازالت الخلفا میں لکھتے ہیں:

''رحمتِ الٰہیہ سے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو یہ حصہ ملا کہ جب کوئی مسئلہ پیش آتا آپ ؓ اپنی فراست سے کام لیتے اور غور فرماتے یہاں تک کہ علمِ غیب کی شعاعیں آپ ؓ کے قلب پر پڑتیں اور حقیقت الامر منکشف ہوجاتی۔ یہ لطیف شعاعیں آپ ؓ کے قلب پر بصورتِ عزیمت ظاہر ہوتیں اور بصورتِ مکاشفہ آپ ؓ اپنے کلام کو بحالتِ غلبہ وسکر ادا کرتے۔ اگرچہ آپ ؓ باتیں کم کرتے تھے لیکن جب کوئی بات کرتے تو وہ خطا نہ ہوتی۔''

یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر صحابہ کرام ؓ بھی حضرت ابوبکر ؓ کے مشوروں اور تجاویز کو بہت اہمیت دیا کرتے تھے۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت جبرائیلؑ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ آپ ﷺ حضرت ابوبکر ؓ سے مشورہ کرتے رہا کریں۔

روایات میں آتا ہے کہ ایک بار قبیلہ عبدالقیس کا ایک وفد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد کے امیر نے بڑی متانت اور سمجھداری سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گفتگو کی۔ حاضرین اس کی بات چیت سے بہت متاثر ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی طرف سے جواب دینے کے لیے حضرت ابوبکر ؓ کو چنا جو امیر کی گفتگو بڑی توجہ سے سن چکے تھے۔ رسالت ماب ﷺ کی اجازت اور اذن کے ساتھ حضرت ابوبکر ؓ نے بڑی ذہانت اور سنجیدگی کے ساتھ انتہائی مدلل اور جامع جواب دیا کہ حاضرین عش عش کر اٹھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسرور ہوکر فرمایا ''اے ابوبکر (ؓ) اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے تمہیں رضوانِ اکبر عطا فرمائے گا۔'' صحابہ کرام ؓ نے پوچھا ''یا رسول اللہ رضوانِ اکبر سے آپ ﷺ کی کیا مراد ہے'' فرمایا ''رضوانِ اکبر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں پر تو عام تجلی فرمائے گا اور ابوبکر (ؓ) کے واسطے خاص تجلی۔''

اسی فراست کی بنا پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ خوابوں کی تعبیر بتانے میں بھی ماہر تھے۔ یہ بھی ایک علمِ الٰہی ہے جس کا اصل ادراک صرف نور وصفائی باطن سے ہوتا ہے۔ فنِ تعبیر کے امام ابنِ سیرینؒ کا قول ہے:

''آنحضرت ﷺ کی امت میں حضرت ابوبکر ؓ فنِ تعبیر میں سب سے زیادہ ماہر تھے۔''

شجاعت

فراست کے ساتھ ساتھ قربِ حق کی بدولت آپ ؓ کی شجاعت کا وصف بھی بہت اجاگر ہوا۔ اگرچہ عام زندگی میں آپ ؓ نہایت شفیق اور حلیم الطبع تھے لیکن جہاں معاملہ حق اور باطل کے مقابلے کا ہوتا آپ ؓ سے زیادہ بہادر اور شجاع کوئی نہ تھا۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
ہو رزمِ حق و باطل تو فولاد ہے مومن

یہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ ہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے اپنے ایمان لانے کا کھلم کھلا اعلان کیا جبکہ دیگر صحابہ ؓ نے کافی عرصہ اپنے مشرک عزیز واقارب سے اپنا ایمان چھپائے رکھا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے ہی سب سے پہلے خانہ کعبہ میں علی الاعلان نماز پڑھی اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جس کے نتیجے میں کفار نے انہیں بُری طرح زدوکوب کیا۔ حضرت ابوبکر ؓ کا وصف شجاعت بھی ان بہت سی وجوہات میں سے ایک وجہ تھا جس کی بنا پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں ہجرت کے خطرناک سفر کے لیے چنا تھا جس کے ایک ایک قدم پر کفار کے حملے کا خوف تھا۔ یوں بھی عشق جس قدر شدید ہو مخالفین اور دشمنوں سے لڑنے کی قوت بھی اسی قدر زیادہ ہوتی ہے چنانچہ حضرت ابوبکر ؓ کی شجاعت کو سراہتے ہوئے ایک بار حضرت علی مرتضیٰ شیرِ خدا ؓ نے لوگوں سے پوچھا ''مجھے وہ شخص بتاؤ جو سب سے زیادہ بہادر ہے۔'' حاضرین نے عرض کیا ''آپ (ؓ) سب سے بہادر ہیں'' آپ ؓ نے فرمایا ''میں نے ہمیشہ برابر کے جوڑ کا مقابلہ کیا۔ مجھے بتاؤ کہ سب سے زیادہ دلیر کون ہے؟'' حاضرین نے کہا ''ہم نہیں جانتے آپ (ؓ) بتائیں۔'' آپ ؓ نے فرمایا ''وہ ابوبکر (ؓ) ہیں۔ بدر کے دن ہم نے رسول اللہ ﷺ کے لیے چھپر تیار کیا تو ہم نے کہا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کون ہوگا؟ تاکہ مشرک اس طرف کا رخ نہ کرسکیں۔ بخدا ہم میں سے کوئی آگے نہیں بڑھا سوائے ابوبکر صدیق ؓ کے' وہ تلوار سونت کر نبی اکرم ﷺ کی حفاظت کررہے تھے۔ جو کافر اس طرف بڑھتا اس پر حملہ آور ہوتے اس لیے آپ ؓ سب سے زیادہ دلیر ہیں۔''

یہ روایت علامہ سیوطی ؒ نے رسالہ مذکورہ میں بیان کی۔ اسی رسالہ میں آپ ؒ ایک اور روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا ''لوگو مجھے بتاؤ کہ سب سے زیادہ بہادر کون ہے'' لوگوں نے کہا ''ہم نہیں جانتے آپ (ؓ) بتائیں۔'' آپ ؓ نے فرمایا: ''ابوبکر صدیق (ؓ)' میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا قریش نے آپ کو پکڑا ہوا تھا ایک شخص آپ ﷺ پر غالب آنے کی کوشش کررہا تھا دوسرا

آپ ﷺ کو گرانا چاہتا تھا اور وہ کہہ رہے تھے کہ تم ہی ہو وہ جس نے کئی خداؤں کو ایک بنا دیا ہے' بخدا ہم میں سے کوئی قریب نہیں گیا سوائے ابوبکر (ؓ) کے' وہ ایک کو مارتے ہوئے دوسرے کو دھکیلتے ہوئے آگے بڑھے اور فرمایا ''تمہارے لیے ہلاکت ہو تم اس ذاتِ کریم کو اس لیے شہید کرنا چاہتے ہو کہ وہ فرماتے ہیں کہ میرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔'' یہ فرما کر حضرت علی ؓ نے جو چادر اوڑھی ہوئی تھی' اٹھائی اور اتنا روئے کہ آپ ؓ کی داڑھی مبارک تر ہوگئی پھر فرمایا ''میں تم سے پوچھتا ہوں کہ آلِ فرعون کا مومن بہتر تھا یا ابوبکر (ؓ)؟'' لوگ چپ رہے' فرمایا ''جواب کیوں نہیں دیتے۔ بخدا ابوبکر (ؓ) کی ایک ساعت آلِ فرعون کے مومن سے بہتر ہے۔ اس نے اپنا ایمان چھپایا تھا اور انہوں نے اپنے ایمان کا اعلان کیا۔''

خشیتِ الٰہی

حضرت ابوبکرؓ، جن کی شجاعت کے گواہ خود شیرِ خدا ؓ ہیں اور جو حق کی خاطر تمام دنیا سے لڑنے کا جگر رکھتے تھے' جب نماز میں اپنے رب کے سامنے حاضر ہوتے تو خوف کا یہ عالم ہوتا کہ ایک چوبِ خشک کی طرح کھڑے ہوتے۔ جس عاشقِ رسول نے اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کر دیا تھا اسے حساب کا اس قدر خوف تھا کہ ایک چڑیا کو دیکھ کر حسرت سے فرماتے ''اے پرندے! خوش حال ہے تو پھل کھاتا ہے' درخت کے سایہ میں بسر کرتا ہے، حساب کتاب کا کچھ کھٹکا نہیں۔ کاش ابوبکر تجھ سا ہوتا۔''

جب قرآن پڑھتے تو خوف سے بے اختیار رو دیا کرتے۔ آپؓ کے اس رونے کا اثر قریش کی عورتوں اور بچوں پر بہت پڑنے لگا جو آپؓ کے چبوترے کے گرد جمع رہتے تھے۔ یہ بات کفار کو بہت گراں گزرتی کیونکہ جب وہ قرآن کریم پڑھتے تو ان کی رقت کی وجہ سے ایسا تاثر پیدا ہوتا کہ لوگ اسلام کی طرف راغب ہو جاتے۔ جب ہجرتِ حبشہ کے وقت آپؓ ہجرت کے لیے جانے لگے تو آپؓ کے ایک قدیم دوست سردار ابن الدغنہ نے اعلان کیا کہ میں نے ابوبکر (ؓ) کو پناہ دی۔ کفارِ مکہ نے کہا کہ ٹھیک ہے ہم ابوبکر (ؓ) سے کوئی تعرض نہیں کریں گے مگر اس شرط پر کہ وہ بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت نہ کریں گے۔ حضرت ابوبکر ؓ چند روز تو خاموش رہے مگر بعد میں آپؓ سے رہا نہ گیا۔ آپؓ نے اپنے مکان کے ساتھ ایک چھوٹی سی جگہ نماز کے لیے بنالی اور وہیں بلند آواز سے تلاوت کرتے۔ ابن الدغنہ نے جب قریش کے احتجاج پر آپ ؓ سے خاموش رہنے کی درخواست کی تو آپؓ نے جواب دیا کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کسی کی پناہ کی ضرورت نہیں۔

عاجزی وانکساری

عاجزی وانکساری کا یہ عالم تھا کہ لوگوں کے معمولی کام کرنے میں بھی عار محسوس نہ کرتے۔ مدینہ کی ایک نابینا بڑھیا کے گھر کے تمام کام صبح سویرے منہ اندھیرے چھپ کر جاتے اور بغیر کسی کو خبر ہوئے کر آتے۔ امیر المومنین بننے کے بعد بھی اس معمول میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ خلافت سے پہلے محلّہ کی لڑکیاں اُن کے پاس بکریاں لاتیں اور وہ دودھ دوھ دیتے۔ جب خلیفہ ہو کر محلّہ میں گئے تو لڑکیوں نے دیکھ کر کہا اب یہ دودھ نہیں دوہیں گے۔ سن کر کہا ''ضرور دوہوں گا۔ مجھ کو خدا کی ذات سے امید ہے کہ اس منصب سے میری کسی عادت میں فرق نہیں آئے گا۔ چنانچہ جب محلے میں آتے تو دریافت کرتے کہ دودھ دوھ دوں یا بکریاں چرالاؤں؟ جیسا لڑکیاں کہہ دیتیں ویسا کر دیتے۔ شفقت کا یہ عالم تھا کہ جب محلے میں نکلتے تو بچے بابا، بابا کہہ کر دوڑتے اور آکر لپٹ جاتے۔

صوفیائے کرام نے فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی نسبت ابراہیمی ہے۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کا لقب اوّاہ (درد مند) تھا اور صحابہ کرامؓ بھی حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو اسی لقب سے یاد کرتے تھے۔ ایک بار سرورِ عالم ﷺ نے صحابہ ؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ ''آج تم میں سے روزہ کس نے رکھا'' حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا ''میں نے'' پھر پوچھا ''جنازہ کے ساتھ کون گیا'' حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا ''میں'' پھر سوال کیا 'محتاج کو کھانا کس نے کھلایا' پھر صدیق اکبر ؓ ہی بولے ''میں نے'' پھر پوچھا ''بیمار کی عیادت کس نے کی'' اب بھی ابوبکر ؓ نے جواب دیا ''میں نے'' یہ سن کر ارشاد ہوا ''جس میں یہ اوصاف جمع ہوں وہ جنتی ہے۔''

دوسروں کی تکلیف رفع کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے لیکن اپنی تکلیف کا کسی سے تذکرہ نہ کرتے۔ ایک بار ایک کنیز سے آپ ؓ نے پوچھا ''کیا بات ہوئی'' کہنے لگی ''میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ وہ جسم جسے کوئی آزار نہ ہو رحمتِ الٰہی سے دور ہوتا ہے' لیکن میں نے آپ (ؓ) کو کوئی آزار نہیں دیکھا۔'' اس پر حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا ''مجھے تو کئی سالوں سے دانتوں کا آزار ہے اور اتنا شدید کہ چین سے لحہ بھر سو بھی نہیں سکتا لیکن میں اس کا اظہار نہیں کرتا۔''

غرضیکہ عادات و کردار' اوصاف و خصائل' عمل و ذہانت ہر لحاظ سے حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے بہتر کوئی شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں موجود نہیں جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ارشادِ نبوی ہے ''سوائے نبیوں کے آفتاب کسی ایسے شخص پر طلوع یا غروب نہیں ہوا جو ابوبکر (ؓ) سے زیادہ بزرگ ہو۔'' حضرت علی ؓ اکثر فرمایا کرتے تھے ''حضرت ابوبکر ؓ سبقت لے جانے والے ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ہم نے جب بھی کسی کارِ خیر کی طرف پیش قدمی اور سبقت کا ارادہ کیا تو ابوبکر ؓ اس معاملے میں ہم سب سے سبقت لے گئے۔''

شاہ ولی اللہ ؒ فرماتے ہیں ''حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی افضلیت کی چار وجہیں معلوم ہوتی ہیں۔ اوّل۔ امت میں مرتبہ علیا (قربِ الٰہی کا اعلیٰ ترین مرتبہ) پانا۔ صدیقیت اسی سے مراد ہے۔ دوم ابتدائے اسلام میں حضرت سرورِ عالم ﷺ کی اعانت۔ سوم نبوت کے

کاموں کو اتمام تک پہنچانا۔ چہارم آخرت میں علو مرتبہ۔''

ایک اور جگہ لکھا ہے کہ ''حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمر ؓ کی عملی قوت انبیاء علیہم السلام کی عملی و عقلی قوت سے مشابہ تھی۔''

دورِ خلافت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے وصال سے قبل ہی حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو مسلمانوں کا آئندہ خلیفہ بنانے کا عندیہ واضح الفاظ میں دے دیا تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''کسی قوم کے لیے مناسب نہیں کہ ان میں ابوبکر صدیق (ؓ) موجود ہوں اور ان کی امامت ان (حضرت ابوبکر ؓ) کے سوا کوئی اور شخص کروائے۔'' (ترمذی)

اسی طرح وصال سے چند روز قبل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زور دے کر اصرار کرنا کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ جماعت کی امامت کروائیں اور خود بھی ان کی امامت میں نماز ادا کرنا واضح اشارے تھے کہ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر ؓ ہی مسلمانوں کے پہلے خلیفہ بنیں۔ آپ ﷺ کی اس رضا کو حضرت عمر ؓ بخوبی سمجھ گئے اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد، پیشتر اس کے کہ خلافت کے معاملہ میں کوئی فتنہ سر اٹھائے، حضرت عمر ؓ نے اپنی فراست سے کام لیتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے خود حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو خلیفہ نامزد بھی کیا اور سب سے پہلے بیعت بھی کر لی۔ آپ ؓ کی دیکھا دیکھی دیگر صحابہ ؓ نے بھی حضرت ابوبکر ؓ کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال سے بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا۔ اس خلا کے پیدا ہونے سے دین اسلام میں جو جو فتنے اور بدعتیں شامل ہو سکتی تھیں حضرت ابوبکر صدیق ؓ ان کی راہ میں مضبوط چٹان کی طرح حائل ہو گئے اور دین اسلام کو ان سب سے پاک رکھا۔ آپ ؓ کے عہد خلافت کی ابتدا بڑے پُرخطر واقعات سے ہوئی۔ ملت اسلامیہ ایک نہایت نازک دور سے گزر رہی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد اچانک مختلف اسلام دشمن عناصر نے سر اٹھایا اور آن کی آن میں سارا ملک ارتداد و بغاوت کی زد میں آ گیا۔ مختلف قبائلی سرداروں نے ریاست مدینہ کے خلاف علَم بغاوت بلند کر کے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ ملک کے مختلف حصوں میں نبوت کے نئے نئے دعویدار اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بہت سے قبائل کو مرتد کر کے اپنی صفوں میں شامل کر لیا۔ بعض قبائل ایسے بھی تھے جنہوں نے اسلام پر قائم رہنے اور ریاست مدینہ سے اپنی وابستگی کا اظہار تو کیا مگر انہوں نے اسلام کے بعض احکام سے انحراف کا ارادہ کر لیا۔ مثلاً بعض قبائل نے کھلم کھلا اعلان کر دیا کہ وہ اسلام پر قائم ہیں مگر زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے۔ یہ شورش اور فتنہ اس قدر ہمہ گیر تھا کہ ملک کے تین شہروں مدینہ، مکہ اور طائف کے سوا تقریباً سارا ملک عرب اس کی لپیٹ میں آ چکا تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ ملک شام کے خلاف لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ وصال سے قبل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رومیوں کے خلاف سات سو افراد پر مشتمل ایک لشکر حضرت اسامہ بن زید ؓ کی قیادت میں روانگی کے لیے تیار کیا تھا لیکن ابھی یہ لشکر روانہ نہ ہوا تھا۔ اب اگرچہ مدینہ کی حفاظت کے لیے اس فوج کی سخت ضرورت تھی لیکن جس مہم کو رسول کریم ﷺ تیار کر گئے تھے خلیفہ اوّل نہیں چاہتے تھے کہ اسے ملتوی کریں۔

یہ ایسی مشکلات تھیں کہ خلیفہ کے صرف ایک غلط قدم سے اسلام کا شیرازہ بکھر سکتا تھا لیکن صدیق اکبر ؓ کے عزم و استقلال اور تدبر و حکمت نے ملت اسلامیہ کو تباہی سے بچا لیا۔ آپ ؓ نے اپنے مختصر عہد خلافت میں نہ صرف ان تمام مشکلات پر قابو پالیا بلکہ حکومت اسلامیہ کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کر کے ایران و روم کی عظیم سلطنتوں کو متعدد شکستیں دیں۔

حضرت قاسم ؓ اور حضرت عمر ؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''جب حضور ﷺ کا وصال ہوا تو سارا عرب مرتد ہو گیا اور نفاق سر اٹھا کر دیکھنے لگا۔ اللہ کی قسم میرے والد پر (اس وقت) ایسی مصیبت پڑی تھی کہ اگر وہ مضبوط پہاڑوں پر پڑتی تو وہ ان کو بھی پاش پاش کر دیتی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ ؓ کی حالت ایسی ہو گئی جیسے وہ بکری جو رات کے اندھیرے میں بارش میں بھیگ رہی ہو اور درندوں سے بھرے ہوئے علاقہ میں حیران و پریشان ہو۔ اللہ کی قسم! (اس موقع پر) جس بات پر بھی صحابہ ؓ میں اختلاف ہوتا میرے والد اس کے بگاڑ کو ختم کرتے اور اس کی لگام کو تھام کر مناسب فیصلہ کر دیتے (جس سے سارا اختلاف ختم ہو جاتا)۔ (الہیثمی)

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے سب سے پہلے اس لشکر کو حضرت اسامہ بن زید ؓ کی سرکردگی میں روانہ کیا جسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیار کیا تھا۔ باوجود اس کے کہ بہت سے صحابہ ؓ نے مشورہ دیا کہ یا تو اس لشکر

فرمانِ باھُوؒ

جان لے کہ آدمی کو سب سے پہلے علم دعوت حاصل کرنا چاہیے۔ علم دعوت کو علم تکسیر بھی کہتے ہیں۔ جو آدمی علمِ تکسیر کا عامل ہو جاتا ہے وہ رجعت و زوال سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ علمِ تکسیر سے چار علوم کھلتے ہیں، علمِ تفسیر، علمِ اکسیر، علمِ تاثیر اور چوتھا علم قلب یعنی علم کلیہ و تزکیہ و تصفیہ و تجلیہ روشن ضمیر۔ یہ کیمیا نظر مرتبہ ہے جس میں نظر سے مردہ دلوں کو زندہ کیا جاتا ہے۔ جب دل زندہ ہو جاتا ہے تو بلند آواز سے اَللّٰہُ اَللّٰہُ پکارنے لگتا ہے۔ کیمیا نظر اُسے کہتے ہیں جو ایک ہی نظر سے جاہل کو وہ علم بخش دے کہ جس سے اُس پر تمام علوم منکشف ہو جائیں۔ مصنف کہتا ہے کہ ایسا صاحب نظر بھی کیمیا نظر نہیں۔ کیمیا نظر وہ ہے جو دل کو زندہ کر دے اور نفس کو مار دے، دل کو مار دے اور روح کو زندہ کر دے کہ جب روح زندہ ہو جاتی ہے تو مرتی نہیں بلکہ نور ذکر اَللّٰہُ سے نور بن کر زندہ رہتی ہے۔ (محک الفقر کلاں)

کو روانہ ہی نہ کیا جائے کیونکہ مدینہ کو خود دفاع کی ضرورت ہے یا کسی اور تجربہ کار سپہ سالار کے ساتھ بھیجا جائے تا کہ ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑے لیکن صدیق اکبر ؓ نے اپنے آقا ﷺ کے فیصلے سے سرمو انحراف نہ کیا کہ ایک تو یہ ان کی سرشت میں نہ تھا، زندگی بھر انہوں نے اپنے آقا پاک ﷺ کے فیصلوں کو جوں کا توں مانا تھا اب وصال کے بعد کیسے ان میں تبدیلی کرتے۔ دوسرے تبدیلی کرنا اس بات کا غماز ہوتا کہ خدانخواستہ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیصلوں پر اعتماد نہیں۔ یہ لشکر چالیس دن بعد رومی قبائل کو عبرتناک شکست دے کر جب واپس لوٹا تو دیگر قبائل جو مدینہ کے خلاف محاذ آرائی کے لیے تیاریاں کر رہے تھے اس لشکر کی شاندار فتح سے مرعوب ہوگئے اور جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔ اس طرح حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے اس بروقت اقدام سے مسلمانوں کو قوت اور استقامت نصیب ہوئی۔

جن قبیلوں نے مرتد ہونے یا زکوٰۃ نہ دینے کا اعلان کیا تھا، حضرت ابوبکر ؓ نے انہیں بھی آڑے ہاتھوں لیا۔ اگرچہ صحابہ کرام ؓ یہاں تک کہ حضرت عمر ؓ جیسے زیرک اور اسلام میں سخت صحابی نے بھی حضرت ابوبکر ؓ کو ان سے نرمی سے پیش آنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ یہ لوگ ابھی اسلام میں نئے داخل ہوئے ہیں اگر ان سے سختی کی گئی تو ممکن ہے یہ اسلام کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیں۔ لیکن حضرت ابوبکر ؓ نے دوٹوک اور واضح الفاظ میں فرما دیا کہ احکامِ الٰہی کی بجا آوری میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے یا کوئی رعایت دینے کا وہ اختیار ہی نہیں رکھتے اور یہ بھی سختی سے فرما دیا کہ وہ کسی سے زکوٰۃ میں اونٹ کی رسی جتنی رعایت بھی نہیں کریں گے اور ایسا کرنے والے کے ساتھ جہاد کریں گے۔ آپ ؓ نے فوری طور پر منکرین زکوٰۃ کی تادیب کی خاطر مختلف قبائل اور افراد کی جانب باقاعدہ افواج روانہ کیں۔ یہی نہیں بلکہ اس معاملے کو اس قدر اہمیت دی کہ خود بھی دو قبائل بنی عبس اور بنی ذبیان کے مقابلے میں نکل کھڑے ہوئے اور انہیں عبرتناک شکست دے کر ان لوگوں میں نظام زکوٰۃ سختی کے ساتھ نافذ کر دیا۔ حضرت عمر ؓ نے بھی خلیفہ اوّل کے اس اقدام کو اسلام کے حق میں بہترین اور اہم قرار دیا اور اعتراف کیا کہ اگر آج ان منکرین زکوٰۃ کو ڈھیل دی جاتی تو کل وہ صوم وصلوٰۃ کے بھی منکر ہو جاتے اور اس طرح اسلام ایک تماشا بن جاتا۔

جعلی نبوت کے دعویداروں سے بھی آپ ؓ سختی سے نبٹے اور مسلمان مجاہدین کو اطراف واکناف میں لشکر دے کر روانہ کیا۔ ان تمام کاذب نبیوں میں مسلیمہ کذاب سب سے زیادہ طاقتور تھا۔ لہٰذا اس کی سرکوبی کے لیے حضرت خالد بن ولید ؓ نے اس کے ساتھ ایک خونی معرکہ کیا اور اسے کیفرِ کردار تک پہنچا کر جعلی نبیوں کا قلع قمع کر دیا۔

حضرت ابوبکر ؓ کے ان دوٹوک اور بروقت فیصلوں سے اسلام کو بہت تقویت حاصل ہوئی اور نئی فتوحات کی راہ ہموار ہوئی۔ حضرت ابوبکر ؓ کی انہی خدمات کے باعث بعض حوالوں سے انہیں دینِ اسلام کو حیاتِ نو بخشنے والا بھی قرار دیا جاتا ہے۔ حضرت عمر ؓ حضرت ابوبکر ؓ کے ان اقدامات کے متعلق فرماتے ہیں ''میں نے ان کو اپنے سے زیادہ قوتِ نفاذ والا' اپنے سے زیادہ پختہ عزم والا پایا۔ انہوں نے لوگوں کو کام کرنے کے ایسے بہترین طریقے بتائے اور ان کو اس طرح ادب سکھایا کہ جب میں خلیفہ بنا تو لوگوں کے بہت سے کام مجھ پر آسان ہوگئے۔''

ان خدمات کے ساتھ ساتھ حضرت ابوبکر ؓ نے اپنے ذاتی کردار کے ذریعے بھی مسلمانوں کی تربیت کی۔ مسلمانوں کے ساتھ عمومی رویے میں شفقت' رحم دلی' عاجزی اور سخاوت پہلے سے بھی بڑھ گئی۔ خلیفہ ہو کر بھی محلے کی لڑکیوں کی بکریوں کا دودھ دوہ دیتے۔ غریبوں، بیواؤں کے کام اپنے ہاتھ سے کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے۔ خلافت سنبھالنے کے چھ ماہ بعد تک حسب سابق کندھے پر چادریں رکھ کر بیچتے رہے۔ جب مشاغل خلافت بڑھے تو صحابہ کرام ؓ نے مشورہ کر کے ایک مہاجر کے خرچ کے برابر وظیفہ بیت المال سے مقرر کر دیا جسے بڑی قناعت اور احتیاط سے خرچ کرتے۔ ایک بار زوجہ محترمہ نے گھر کے خرچ میں سے کچھ بچت کر کے اپنے لیے کچھ شیرینی خرید لی تو اتنا ہی خرچ وظیفہ میں سے کم لینا شروع کر دیا کہ جب کم سے گزر بسر ممکن ہے تو زیادہ کیوں لیا جائے۔ خلافت سنبھالنے کے بعد رہن سہن پہلے سے بھی زیادہ سادہ کر دیا۔ وفات سے پہلے حساب کیا کہ بیت المال سے کل کتنا وظیفہ لیا اور اپنی زمین کا ایک ٹکڑا بیچ کر یہ حساب بھی چکتا کیا۔ اپنے لیے کبھی علیحدہ مقام کی خواہش نہ کی۔ ایک مرتبہ مجمع میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے آ کر کہا ''اسلام علیکم یا خلیفۃ الرسول اللہ'' سن کر کہا ''تمام مجمع میں خصوصیت کے ساتھ مجھ کو سلام کیوں کیا؟'' خلافت کے بعد جب پہلی بار عمرہ ادا کرنے کے واسطے مکہ گئے تو لوگ اُن کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ سب کو علیحدہ کر دیا اور فرمایا اپنی اپنی راہ چلو۔ شانِ تکبر سے ہمیشہ احتراز رکھا۔ خلافت سنبھالتے ہی لوگوں پر اپنی اور ان کی حیثیت کی وضاحت ان الفاظ سے کر دی تھی ''اے لوگوں میں تمہارے کاموں پر ولی بنایا گیا ہوں' مگر میں تم سے کسی طرح بہتر نہیں ہوں۔ جب مجھ سے کوئی عمدہ کام ہو تو اس میں میری مدد کرو اور جب کوئی برائی ظاہر ہو تو مجھے سیدھا کرو۔ راست بازی امانت ہے۔ تم میں جو ضعیف ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے' جب تک میں اس کا حق نہ دلوا دوں اور تم میں جو قوی ہے وہ میرے نزدیک ضعیف ہے جب تک میں اس سے حق نہ لے لوں۔ جو لوگ جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیں گے خدا ان پر بلا نازل کرے گا۔ میں جس کام میں خدا اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کروں تم بھی میری اطاعت کرو۔ جب میں نافرمانی کروں تو پھر تم پر میری کوئی اطاعت نہیں۔''

بنیادِ حکومت اصول قرآن و حدیث پر رکھی اور ایک قدم بھی ان سے متصادم نہ اٹھایا جس کے سبب اسلام کی جڑیں مضبوط اور گہری ہوئیں اور حضرت عمر ؓ کے دور میں شجر اسلام کو خوب پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔

وفات

حضرت ابوبکر صدیقؓ جسمانی حیثیت سے کبھی زیادہ قوی نہ تھے۔ اس پر محبوب آقا ﷺ کی جدائی کے صدمے سے نڈھال اور خلافت کی ذمہ داریاں صحت کی اجازت سے بڑھ کر ادا کرتے کرتے مضمحل ہو چکے تھے۔ اس ضعف کے ساتھ تریسٹھ برس کی عمر میں علیل ہو گئے۔ پندرہ روز بخار آتا رہا۔ قلب پر نورِ غیبی کے ظہور سے جان لیا کہ بس اب محبوب سے ملنے کا وقت آن پہنچا ہے۔ چنانچہ طبیب طلب کرنے کے مشورہ پر جواب دیا "دیکھ چکا۔" پوچھا کیا کہا؟ فرماتے ہیں "کہا ہے میں جو ارادہ کرتا ہوں کر ڈالتا ہوں" مدعا سمجھ کر صحابہؓ خاموش ہو گئے۔

وفات سے پہلے امتِ مسلمہ کی حالت اور اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اپنے بعد خلافت سنبھالنے کے لیے امت میں سے بہترین شخص حضرت عمرؓ کو چنا۔ اس انتخاب کی وجہ حضرت عمرؓ کی فہم و فراست، خوفِ خدا، دین میں سختی کے ساتھ ساتھ بارگاہِ رسالت میں ان کی فضیلت بھی تھی۔ کچھ صحابہؓ نے اعتراض کیا کہ حضرت عمرؓ مزاج میں سخت ہیں رعایا کے ساتھ سختی برتیں گے لیکن حضرت ابوبکرؓ نے فیصلہ نورِ فراست کی روشنی میں کیا تھا اس لیے ہمیشہ کی طرح اس پر قائم رہے اور کسی کے کہنے پر تبدیل نہ کیا۔ وقت نے ان کا یہ فیصلہ بھی بہترین ثابت کیا۔

دنیا سے بے رغبتی کا یہ عالم تھا کہ وفات سے پہلے وصیت کی کہ انتقال کے بعد ان کے کفن کے لیے نیا کپڑا نہ لیا جائے بلکہ پرانی استعمال شدہ چادروں کو ہی بطور کفن استعمال کیا جائے اور فرمایا "اگر مجھے پُرتکلف کپڑوں کا کفن دیا تو میرا رتبہ کچھ بڑھ نہ جائے گا اور اگر ردی کپڑوں میں کفنایا گیا تو میرا رتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ کم نہ ہو جائے گا۔"

آپؓ 22 جمادی الثانی 13ھ مابین مغرب و عشاء تریسٹھ سال کی عمر میں خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ مدتِ خلافت دو سال تین ماہ تھی۔ اپنی دائمی رفاقت کو قائم رکھتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہلو میں محو خواب ہیں۔

ازواج و اولاد

حضرت ابوبکرؓ نے چار شادیاں کیں۔ دو زمانہ جاہلیت میں، دو بعد اسلام۔ ایامِ جاہلیت کی بیبیاں قتیلہ اور اُم رومان تھیں۔ قتیلہ بنی عامر سے تھیں مشرف بہ اسلام نہ ہوئیں۔ ان سے ایک بیٹی حضرت اسماءؓ تھیں جن کی شادی حضرت زبیرؓ سے ہوئی اور ایک بیٹے حضرت عبداللہؓ تھے جو غزوۂ طائف میں حضرت سرورِ کائنات کے ہمرکاب شریک ہوئے۔ تیر کا زخم پاؤں میں لگا۔ اُس کے صدمہ سے شوال 11ھ میں شہید ہوئے۔ دوسری بی بی اُم رومانؓ اسلام لائیں۔ ہجرت کے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کو مکہ چھوڑ گئے تھے چند روز بعد مدینہ بلا لیا۔ 6ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دستِ مبارک سے دفن کیا۔ حضرت ابوبکرؓ کی اولاد میں سب سے بڑے بیٹے حضرت عبدالرحمٰنؓ اُم رومانؓ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ انہی سے اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی پیدا ہوئیں جو ازواجِ مطہرات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ اُم رومانؓ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے 8ھ میں حضرت اسماءؓ بنت عمیس سے نکاح کیا جن کے بطن سے ایک بیٹے محمدؒ پیدا ہوئے اور دوسرا نکاح حبیبہ بنت خارجہ انصاریہ سے کیا۔ یہ دونوں بیبیاں حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے وقت زندہ تھیں۔ بنت خارجہ سے ایک لڑکی اُم کلثوم حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔ سلسلہ نسل حضرت عبدالرحمٰنؓ اور محمدؒ سے چلا۔ حضرت عبداللہؓ کا سلسلہ نسب ختم ہو گیا۔

بقیہ: مرتبہ نعم البدل

حاصل کرنا چاہتا ہے تو ظاہر و باطن میں مرشد کی کامل و مکمل اتباع کرے۔ مرشد کامل کی نگاہ کاملہ اور توجہ سے تمام مریدین جو کلیوں کی مانند ہوتے ہیں وہ پھول بن جائیں گے یعنی اپنے کمال کو پہنچ جائیں گے اور اُن میں توحید کی خوشبو ہوگی مگر ان تمام پھولوں (طالبوں) کا سرتاج ایک پھول جسے لالہ (محرم راز) کہتے ہیں اور لالہ ایک ایسا پھول دار پودا ہے جو سیدھا اوپر کو ہی جاتا ہے زمین کی طرف ہرگز نہیں جھکتا۔"

سلطان العارفینؒ کے فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ مریدوں میں ایک مرید ایسا بھی ہوتا ہے جو کہ بالکل مرشد ہی کی ذات ہوتا ہے یا مرشد ہی اس کے لباس میں ملتبس ہوتا ہے اور وہ طالب دوسرے طالبوں کے مقابلے میں علمِ توحید میں الگ، خاص اور نمایاں مقام رکھتا ہے یعنی وہ فرزند حقیقی اور مرشد کا روحانی وارث ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو کچھ میرے سینے میں رکھا وہ میں نے ابوبکر صدیقؓ کے سینے میں اتار دیا۔"

مرتبہ نعم البدل کی ابتدا خصائل رذیلہ کو خصائل حمیدہ میں بدلنا ہے اور مرتبہ نعم البدل کی انتہا مرشد اور طالب دونوں کی ذات کا یکجا ہو جانا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ مرشد کامل اکمل کی نگاہ کامل کے ذریعے ہمارے باطن کو درست فرمائے، ہمیں اپنی صفات شر کو ترک کرنے اور صفات الٰہیہ کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں مرتبہ نعم البدل خاص عطا فرمائے۔ آمین



قسط 1

سرّ الاسرار

تصنیفِ لطیف سیّدنا غوث الاعظم حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ

ترجمہ: احسن علی سروری قادری

اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام سے شروع جو تمام کائنات کا پالنے والا ہے۔ جس کی شان اس قدر بلند ہے کہ عقل وفہم سے ماورا ہے اور جس نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے اور جو پوشیدہ ہو کر بھی ہر چیز میں عیاں ہے اور عیاں ہو کر بھی غافلین سے پوشیدہ ہے۔

لاکھوں کروڑوں درود وسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مقدس ومعطر ومطہر ومنور پر، جو مظہر ذاتِ حق اور وجہ وجودِ کائنات ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ بیتؓ اور صحابہ کرامؓ پر جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس کے ہی خوبصورت اور روشن رنگ ہیں جن سے یہ کائنات منور ہے۔ لاکھوں سلام ہوں اولیاء کرام کے امام غوثِ صمدانی، قطبِ زمانی، محبوبِ سبحانی شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ پر جن کا قدم مبارک تمام غوث وقطب کی گردن پر ہے اور جو نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

سیّدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا ظہور اس وقت اس عالم رنگ وبو میں ہوا جب ہر طرف فرقہ پرستی اور گمراہی عام ہو چکی تھی اور دین اسلام انتشار کا شکار ہو چکا تھا۔ باطل فرقوں نے مسلمانوں کو ذہنی انتشار میں مبتلا کر رکھا تھا۔ سیّدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبات، الہامی مواعظِ حسنہ اور کتب سے مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی تصانیف سے مردہ قلوب کو حیاتِ نو ملتی ہے۔ عقیدت اور اعتقاد سے انہیں پڑھنے والوں اور آپ رضی اللہ عنہ کی تعلیمات پر عمل کرنے والوں پر معرفت وحقیقت کے تمام دروازے کھل جاتے ہیں اور راہِ سلوک میں حضور غوث الاعظمؓ خود ان کی رہنمائی فرماتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی مشہور تصانیف میں الفتح الربانی، فتوح الغیب، سرّ الاسرار، الرسالۃ الغوثیہ، غنیۃ الطالبین اور دیوانِ غوث الاعظمؓ دستیاب ہیں۔

''سرّ الاسرار'' یعنی ''رازوں کے راز''۔ آپ رضی اللہ عنہ کی یہ کتاب واقعی اسرار کا مجموعہ ہے اور معرفتِ حق تعالیٰ کے اسرار سے لبریز ہے جس میں فقر کی حقیقی تعلیمات کو بیان کیا گیا ہے۔

میرے مرشد پاک حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس نے ''سرّ الاسرار'' کے ترجمہ کا حکم فرمایا کیونکہ مارکیٹ میں دستیاب تراجم اتنے آسان فہم نہیں اور نہ اس معیار کے ہیں جو سیّدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی تعلیمات کا مفہوم اور اُن کی روح کو بیان کر سکیں۔ اس سلسلے میں مرشد پاک حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس نے نہ صرف اپنی لائبریری سے عربی کا مخطوطہ عنایت فرمایا بلکہ مزید تحقیق کرنے کی بھی تلقین کی۔

تحقیق کے سلسلے میں اپنے مرشد کریم حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس کی ہدایت پر عربی متن کی تلاش میں لائبریری ''مرکز معارف العلوم'' داتا دربار لاہور کا جائزہ لیا۔ وہاں سے سرالاسرار کا ایک نسخہ عربی متن مع اردو ترجمہ دستیاب ہوا۔ یہ نسخہ غوثیہ کتب خانہ بیرون شاہ عالم گیٹ لاہور کا شائع کردہ دوسرا ایڈیشن ہے جس کی تاریخ اشاعت یکم محرم الحرام 1401 ہجری ہے اور اس کے مترجم حافظ برکت علی قادریؒ ہیں۔ کتاب کے پیش لفظ میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ سرّ الاسرار کا عربی نسخہ بغداد میں سیّدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد پاک کی تحویل میں چلا آ رہا تھا اور اردو ترجمہ کے ساتھ اشاعت سے محروم تھا جو حافظ برکت علی قادریؒ کو سیّدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد سے بوجہ عقیدت ومحبت تحفہ میں ملا تاکہ اس کی اشاعت کی جائے۔

اس کتاب میں ایک صفحہ پر اصل عربی متن اور دوسرے صفحہ پر اُس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ کتاب کا ترجمہ دوسرے تراجم سے بہت بہتر ہے۔

دوسرا نسخہ عربی متن مع اردو ترجمہ العارفین پبلیکیشنز لاہور کا شائع کردہ ہے جس کے مترجم سید امیر خاں نیازی مرحوم ہیں۔ اس کتاب میں بھی ایک صفحے پر عربی متن اور دوسرے صفحہ پر ترجمہ کیا گیا ہے۔ سید امیر خان نیازی صاحب نے کتاب کے پیش لفظ میں یہ بات بالکل بھی واضح نہیں کی کہ کتاب کے ترجمہ کے لیے انہوں نے عربی متن کہاں سے حاصل کیا۔ اس کتاب کے متعلق میرے مرشد کریم حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس نے بتایا کہ سرّ الاسرار کے ترجمہ کے لیے یہ عربی مخطوطہ انہوں نے ہی سید امیر خان نیازی مرحوم کو دیا تھا اور اس کا بارِ اوّل انہی کے زیرِ نگرانی ستمبر 2003ء سلطان الفقر ششم حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی رحمتہ اللہ علیہ کی حیات میں ہی مکتبہ العارفین 4/A ایکسٹینشن ایجوکیشن ٹاؤن وحدت روڈ لاہور سے شائع ہوا اور اس میں آپ مدظلہ الاقدس نے ''تقریظ جمیل'' بھی تحریر فرمایا تھا جو بعد کے ایڈیشنوں میں سے نکال دیا گیا اور تصدیق کے لیے بارِ اوّل کی ایک فوٹو کاپی بھی عنایت فرمائی اور بتایا کہ یہ وہی عربی مخطوطہ ہے جو غوثیہ رضویہ کتب خانے کا شائع کردہ ہے اور لائبریری مرکز معارف العلوم داتا دربار لاہور سے دستیاب ہوا۔

عربی متن کی تلاش کے دوران جامع الازہر مصر کا شائع کردہ ایک نسخہ دستیاب ہوا جو جمادی الثانی 1374 ہجری میں شائع ہوا اور اس کتاب کو سیّد عبدالرحمٰن محمد ملتزم نے مرتب کیا۔ جب اس مصری نسخے کا بغدادی نسخے کے ساتھ تقابلی جائزہ لیا گیا تو دونوں میں کچھ خاص فرق نہ پایا گیا سوائے اس کے کہ مصری نسخہ میں کہیں کہیں مختلف اولیاء کرام کے فارسی اشعار کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک دو لفظی غلطیوں کے علاوہ باقی متن بالکل بغدادی نسخہ جیسا ہے۔

مارکیٹ میں دستیاب اردو تراجم میں ایک زاویہ پبلیشرز دربار مارکیٹ لاہور کا شائع کردہ ترجمہ ہے جس کے مترجم ظفر اقبال کلیار فاضل بھیرہ شریف ہیں۔ یہ کتاب کا بار اوّل ہے اور سن اشاعت 2012ء ہے۔ اس ترجمہ کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ کہیں کہیں کچھ عربی متن کا ترجمہ کیا ہی نہیں گیا۔

ایک اور ترجمہ قادری رضوی کتب خانہ کا شائع کردہ ہے جس کے مترجم محمد منشا تابش ہیں۔ منشا صاحب نے کتاب کے ترجمہ کے دوران اپنی طرف سے ترجمہ کے دوران مختلف مقامات پر بطور شاعر اپنے اشعار کا غیر ضروری استعمال کیا ہے۔

اس عاجز کی تحقیق کے مطابق سیّدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ کی کتاب سرّ الاسرار کے مخطوطہ جات اصل حالت میں مندرجہ ذیل لائبریریوں میں محفوظ ہیں:

1۔ پہلا نسخہ حماۃ شام میں واقع ''استانہ'' لائبریری میں موجود ہے۔ اس قلمی نسخے کا عنوان ''سر الاسرار ومظہر الانوار فیما یحتاج الابرار'' ہے۔ مخطوطہ 144 صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ نسخہ 791ھ کا لکھا ہوا ہے اور اس کی کتابت سنہرے حروف سے کی گئی ہے۔

2۔ دوسرا نسخہ بغداد کی ''دارالسلام'' لائبریری میں موجود ہے اور اس کا عنوان ''رسالہ فی علم الظاہر والباطن'' ہے۔ صفحات کی تعداد 58 ہے اور اس کی تاریخ تکمیل 1096ھ ہے۔

3۔ تیسرا نسخہ ''الظاہریہ'' لائبریری بغداد میں ہے۔ رسالے کا عنوان ''السلوک فی باطن الاسرار'' ہے اور غلاف پر مؤلف کا نام ابوالمحاسن جمال الدین محمد بن یوسف بن عبداللہ گورانی (768ھ) لکھا ہوا ہے اور یہ نسخہ 54 صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ نسخہ محمد ادیب تقی کی ملکیت رہا جو 1292ھ میں پیدا ہوئے اور 1358ھ میں انتقال کر گئے۔

4۔ چوتھا نسخہ ''الظاہریہ'' لائبریری میں ہی موجود ہے اور ''الاسرار فیما یحتاج الیہ الابرار'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے ابتدائی صفحات بوسیدہ ہیں اور اس کے کل 48 صفحات ہیں۔ تاریخ کتابت 1170ھ ہے۔

5۔ پانچواں نسخہ بھی ''الظاہریہ'' لائبریری میں موجود ہے اور ''رسالۃ فی التصوف'' کے نام سے موسوم ہے۔ کل صفحات 76 ہیں اور ہر صفحے پر تقریباً 15 سطور ہیں۔ نسخہ خطِ نسخ میں لکھا گیا ہے لیکن کہیں کہیں فارسی عبارات گڈمڈ ہوگئیں ہیں۔

6۔ چھٹا نسخہ بھی ''الظاہریہ'' لائبریری کی زینت ہے۔ اس کا عنوان ''کتاب فی التصوف'' ہے۔ 124 صفحات پر مشتمل نسخے کے ہر صفحے پر تیرہ سطور ہیں۔ نسخہ نظرِ ثانی شدہ ہے اور سرِ عنوان پر یہ کلمات لکھے ہوئے ہیں: تقدمة من جمال الدين الحمصى اخيه الحاج محمد عبدالدائم الحلبى۔

7۔ ساتواں نسخہ ''اسرار الاسرار'' کے نام سے ہے اور حلب شام کی ''الوطنیہ'' لائبریری میں موجود ہے۔ اس کے صفحات 74 اور ہر صفحہ پر انیس سطور ہیں۔ اس کی تکمیل جمعرات کے دن 1274ھ کو ہوئی۔

میں نے ترجمہ کرنے کے لیے بغدادی نسخہ کو بنیاد بنایا ہے اور مرشد پاک حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس کی مہربانی سے یہ کوشش کی ہے کہ ترجمہ آسان، عام فہم اور عربی متن کی روح کے مطابق کیا جائے تاکہ قارئین کو سیّدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہٗ کی تعلیمات کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کوشش میں ہمیں کامیاب کرے۔ آمین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے لیے ہیں سب تعریفیں جو قدرت والا، (ہر چیز کا) جاننے والا، بنانے والا، حکمت والا، بن مانگے عطا کرنے والا، کرم فرمانے والا، پالنے والا اور بہت زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ ذکرِ حکیم اور عظمت والے قرآن کا اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل کرنے والا ہے کہ جنہیں قوت والے دین اور صراطِ مستقیم کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ اور درود و سلام ہو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جو کہ خاتم الرسالت ہیں اور گمراہوں کے لیے ہدایت ہیں جنہیں تمام (آسمانی) کتابوں سے افضل (عظمت و فضیلت والی) کتاب کے ساتھ تمام رسولوں پر شرف حاصل ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نبی، اُمّی، عربی اور (امانتوں کے) امین ہیں اور کثرت سے درود وسلام ہو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آل اطہارؓ پر جو ہدایت کے طالبوں کے لیے ہدایت

(کی شمع) ہیں اور درود و سلام ہو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحابؓ پر جو بہت ہی بزرگی والے ہیں۔

اس کے بعد غوث الاعظم، قطبِ ربانی، ہیکل صمدانی، قندیلِ نورانی، سلطان الاولیاء و عارفین، برہان الاصفیاء و واصلین، اللہ پاک کے شہبازِ اشہب[1] ہمارے مولا و سردار اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہمارے رہنما، اعلیٰ حسب ونسب اور شرافت والے سیّد شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی الحسنی والحسینی قدس اللہ سرہٗ العزیز (اللہ تبارک وتعالیٰ آپؓ کی قبرِ اقدس کو منور فرمائے) بن امام سیّد ابی صالح موسیٰ جنگی دوستؒ بن امام سیّد عبداللہ بن امام سیّد یحییٰ زاہد بن امام سیّد محمد بن امام سیّد داؤد بن امام سیّد موسیٰ بن امام سیّد عبداللہ بن امام سیّد موسیٰ الجون بن امام سیّد عبداللہ المحض بن امام سیّد حسن المثنیٰ بن امام سیّدنا حسن السبط بن سیّدنا و مولینا امیر المومنین ابی الحسنین امام سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اجمعین، جن کا والدہ محترمہ کی طرف سے سلسلہ نسب اس طرح سے ہے: سیّد شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ النورانی بن سیّدہ ام الخیر امۃ الجبار فاطمہ بنتِ سیّد عبداللہ صومعیؒ زاہد بن سیّد ابی جمال الدین محمد بن سیّد محمود بن سیّد ابی العطاء عبداللہ بن سیّد کمال الدین عیسیٰ بن سیّد امام ابی علاؤ الدین محمد الجواد بن سیّد امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین علی بن حسین شہیدِ کربلا بن امام امیر المومنین سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اجمعین۔

(فرماتے ہیں کہ) علم بزرگی والا وصف (خوبی)، بلند مرتبہ، فخر کے لائق اور نفع بخش تجارت ہے کیونکہ یہ تمام جہانوں کے پالنے والے کی وحدت تک پہنچانے کا ذریعہ اور اس کے نبیوں اور رسولوں (صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین) کی تصدیق کرنے کا وسیلہ ہے۔ علماء (علماءِ ربانی) اللہ تعالیٰ کے ان خاص بندوں میں سے ہیں جنہیں اس (اللہ) نے اپنے دین کی ترویج اور سربلندی کے لیے چن لیا اور اپنے فضل (خاص) سے مزید ہدایت فرمائی اور انہیں دوسروں پر فضیلت عطا فرمائی اور وہ انبیاء کرام کے وارث اور ان کے خلفاء (نائبین) ہیں اور

فرمانِ باھُوؒ

جان لے کہ اکثر ملحد کہہ دیتے ہیں کہ خَیْرِہٖ وَ شَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی یعنی خیر بھی اللہ کی طرف سے ہے اور شر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے لیکن خَیْرِہٖ وَ شَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی کی شرح یہ ہے کہ خیر اور شر دونوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے مگر یاد رکھ کہ اللہ تعالیٰ نے خیر سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور سنت جماعت کو پیدا فرمایا ہے۔ سنت جماعت کسے کہتے ہیں؟ سنت جماعت وہ راہ ہے کہ جسے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اُن کے یاروں اور اصحابؓ نے اختیار کیا۔ جو لوگ اس راہ پر گامزن ہیں اُنہیں سنت جماعت کہتے ہیں۔ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اللہ تعالیٰ نے خیر سے اسلام، ذکر فکر، معرفت، فقر، فیض، رحمت، فضل اور علمِ شریعت کو پیدا فرمایا اور شر سے کفر، شیطان، نفسِ امارہ اور دنیا کو پیدا فرمایا اور تجھے اختیار دیا کہ تُو خیر کو طلب کر یا شر کو۔ (محک الفقر کلاں)

رسولوں کے رازدان اور ان کی حقیقی معرفت حاصل کرنے والے ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

❀ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْھُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ ۚ وَمِنْھُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْھُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ (الفاطر۔32)

ترجمہ: پس ہم نے اپنے چنے ہوئے خاص بندوں کو کتاب (مبین) کا وارث بنایا۔ اُن میں سے بعض اپنے نفس کے لیے ظالم ہیں اور بعض درمیانہ چال چلنے والے ہیں (یعنی وہ لوگ جن کے گناہ اور نیکیاں برابر ہیں) اور بعض نیکیوں میں بڑھ جانے والے ہیں۔

جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

❀ اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَآءِ بِالْعِلْمِ وَ یُحِبُّھُمْ اَھْلُ السَّمَآءِ وَیَسْتَغْفِرُلَھُمُ الْحِیْتَانُ فِی الْبِحَارِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ

ترجمہ: علماء (حق) علم (باطن) کے باعث انبیاء کے وارث ہیں اور آسمان والے اُن سے محبت کرتے ہیں اور سمندروں میں مچھلیاں قیامت تک اُن کے لیے مغفرت (بخشش) طلب کرتی رہیں گی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

❀ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (الفاطر۔28)

ترجمہ: بے شک اُس (اللہ) کے بندوں میں سے صرف علماء (علماءِ ربانی) ہی اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

❀ ترجمہ: روزِ قیامت جب اللہ مخلوق کو اٹھائے گا تو علماءِ ربانی کی جماعت کو الگ کر دے گا۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے فرمائے گا اے علماء کے گروہ! بے شک میں نے اپنا علم (معرفت) جو تمہیں عطا کیا وہ تمہارے ہی لیے تھا سو میں نے وہ علم (معرفت) تمہیں دے کر ضائع نہیں کیا۔ پس تمہارے لیے کوئی عذاب نہیں۔ جنت کی طرف جاؤ پس میں نے تم لوگوں کو بخش دیا۔

سب تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے ہی ہیں جو ہر حال میں تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ جس نے درجات کو عابدوں (عبادت کرنے والوں) کے لیے اور اپنے قرب کے مراتب کو عارفین (اپنی معرفت حاصل کرنے والوں) کے لیے محفوظ فرمایا۔ بعض طالبانِ حق نے ہم (سیّدنا غوث الاعظمؓ) سے درخواست کی کہ ان کے لیے ایک ایسی جامع کتاب (معرفت) تیار کریں جو اُن کے لیے (راہِ فقر کے

[1] بلند پرواز کرنے والے

ہر مقام کے لیے) کافی اور بھرپور ہو۔ پس طالبانِ مولیٰ کی طلب اور ضرورت کے مطابق یہ جامع کتاب تیار کی جو نہ صرف اُن کے لیے بلکہ اُن کے علاوہ دوسرے (بعد کے زمانے میں آنے والے) لوگوں (طالبانِ مولیٰ) کے لیے بھی کافی ہوگی۔ اور اس کو ''سرّ الاسرار فیما یحتاج الیہ الابرار'' کا نام دیا جس میں شریعت، طریقت اور حقیقت کے اُن رازوں کا تذکرہ (ذکر) کیا گیا ہے جن کی تلاش میں عموماً لوگ رہتے ہیں۔ اور یہ رسالہ کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ کے 24 حروف اور رات دن کے چوبیس گھنٹوں کی تعداد کے مطابق ایک مقدمہ اور چوبیس فصلوں پر مشتمل ہے۔

مقدمہ میں مخلوق کی ابتدا کو بیان کیا گیا ہے اور فصلوں میں سے پہلی فصل انسان کے اپنے اصلی حقیقی وطن (عالمِ لاھوت) کی طرف لوٹنے کا بیان ہے۔ دوسری فصل انسان کے اسفل سافلین کی طرف پھیرے جانے کا بیان ہے۔ تیسری فصل میں روحوں کے اجسام میں تصرف کو بیان کیا گیا ہے۔ چوتھی فصل میں علوم کو بیان کیا گیا ہے۔ پانچویں فصل توبہ و تلقین کے بیان کے حوالے سے ہے۔ چھٹی فصل اہلِ تصوف کے بیان میں ہے۔ ساتویں فصل اذکار کے بیان میں ہے۔ آٹھویں فصل ذکر کی شرائط کے متعلق ہے۔ نویں فصل دیدارِ حق تعالیٰ کے بیان میں ہے۔ دسویں فصل میں ظلمت اور نورانیت کو بیان کیا گیا ہے۔ گیارھویں فصل سعادت اور شقاوت (نیک بختی اور بدبختی) کے حوالے سے ہے۔ بارھویں فصل فقراء کے متعلق ہے۔ تیرھویں فصل طہارتِ شریعت اور طہارتِ طریقت کے بیان میں ہے۔ چودھویں فصل میں نمازِ شریعت اور نمازِ طریقت کا بیان ہے۔ پندرھویں فصل عالمِ تجرید میں طہارتِ معرفت سے متعلق ہے۔ سولھویں فصل زکوٰۃِ شریعت اور زکوٰۃِ طریقت کے حوالے سے ہے۔ سترھویں فصل روزہ شریعت اور روزہ طریقت کے متعلق ہے۔ اٹھارویں فصل حجِ شریعت اور حجِ طریقت کے متعلق ہے۔ انیسویں فصل وجد اور صفائی کے بیان میں ہے۔ بیسویں فصل خلوت اور گوشہ نشینی کے متعلق اور اکیسویں فصل خلوت (گوشہ نشینی) کے اذکار کے بارے میں اور بائیسویں فصل نیند اور اونگھ میں پیش آنے والے واقعات کے متعلق ہے۔ تیئسویں فصل اہلِ تصوف کے متعلق ہے اور چوبیسویں فصل اختتام ہے اور میری توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اسی پر میرا توکل ہے اور اسی کی طرف (ہر مشکل میں) رجوع کرتا ہوں۔

مقدمہ
خلق کی ابتدا کے بیان میں

اللہ تجھے اس بات کو جاننے کی توفیق عطا فرمائے جو اُس کو پسند ہے اور جو اس کی رضا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نورِ جمال سے سب سے پہلے روحِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پیدا فرمایا جیسا کہ اللہ پاک فرماتا ہے:

❁ خَلَقْتُ رُوْحَ مُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مِنْ نُوْرِ وَجْهِيْ

ترجمہ: روحِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو میں نے اپنے چہرے کے نور سے پیدا فرمایا۔

جیسا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

❁ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ رُوْحِيْ

ترجمہ: سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے میری روح کو پیدا فرمایا۔

❁ وَ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ

ترجمہ: اور سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا۔

❁ وَ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ

ترجمہ: اور سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا۔

❁ وَ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ

ترجمہ: اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا فرمایا۔

پس ان سب سے مراد ایک ہی شے ہے اور وہ حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔ اور اسے نور اس لیے کہا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ مبارکہ ظلماتِ جلالیہ (جلالی صفات) سے پاک ہے (یعنی آپ سراپا رحمت ہیں) جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

❁ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ (المائدہ۔15)

ترجمہ: پس اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور اور ایک کتاب مبین[1] آئی۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام عقل اس لیے رکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام علوم کا ادراک رکھتے ہیں اور قلم اس لیے کہا گیا کہ قلم علم کو نقل کرنے کا سبب (ذریعہ) ہے جیسا کہ عالمِ حروفات میں قلم علم کو نقل (منتقل) کرنے کا ذریعہ ہے[2]۔ پس روحِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام کائنات (موجودات) کا خلاصہ اور کائنات کی ابتدا اور اس کی اصل ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

❁ اَنَا مِنَ اللّٰهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنِّيْ

ترجمہ: میں اللہ پاک سے ہوں اور تمام مومنین مجھ سے ہیں۔

اور اللہ پاک نے تمام ارواح کو اس (حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے عالمِ لاھوت میں احسن و حقیقی صورت میں پیدا فرمایا اور اُسے ''انسان'' کا نام دیا اور یہی عالمِ (لاھوت) اُس کا اصلی وطن ہے۔ پس جب (انسانی ارواح کی تخلیق کو) چار ہزار سال گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھ مبارک کے نور سے عرش کو پیدا فرمایا اور پھر عرش سے باقی کائنات کو پیدا فرمایا۔ پھر تمام ارواح کو کائنات کے سب سے نیچے والے طبقے عالمِ اجسام کی طرف پھیر دیا گیا (یا منتقل کر دیا گیا) جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

---

[1] نور اور کتاب سے ایک ہی شے مراد ہے اور وہ ہے انسانِ کامل۔ ہر زمانے میں ایک انسانِ کامل موجود ہوتا ہے اور وہ بظاہر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نائب لیکن حقیقت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات ہی ہے۔ [2] کائنات اور اس کی ہر مخلوق ظہور سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات میں اپنے علمی وجود کی صورت میں موجود تھی جیسے حروف سیاہی میں پوشیدہ ہوتے ہیں اور سیاہی کو قلم میں منتقل کیا جاتا ہے اور پھر قلم سے حروف کا ظہور ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ سب جو علمِ الٰہی میں تھا وہ سب قلم یعنی حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں بھی پوشیدہ تھا جس سے اس عالم میں مخلوقات کا ظہور ہوا۔

﴿ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ (التین ۔5)

ترجمہ: پس ہم نے اس (روحِ قدسی) کو پھیر دیا اسفل سافلین (سب سے نیچے والے درجہ) کی طرف۔

یعنی سب سے پہلے (روحِ قدسی کو) عالم لاھوت سے عالم جبروت میں اتارا۔ پس اللہ تعالیٰ نے حرمین[1] کے درمیان نور جبروت سے (روحِ قدسی کو) ایک لباس پہنایا وہ روحِ سلطانی ہے۔ پھر (روحِ قدسی کو اسی لباس میں) وہاں سے عالم ملکوت میں اتارا اور نورِ ملکوت کا لباس پہنایا جہاں وہ روح روحانی کہلائی۔ پھر عالم ملکوت سے عالم ملک کی طرف اُس کا نزول ہوا جہاں نورِ ملک کا لباس پہنایا اور یہاں روحِ (قدسی) روحِ جسمانی کہلائی۔ پھر اس سے اجسام پیدا فرمائے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى (طٰہٰ ۔55)

ترجمہ: ہم نے تمہیں اسی (زمین) سے پیدا کیا اور اسی میں دوبارہ لوٹائیں گے اور اسی میں سے پھر سے اٹھائیں (زندہ کریں) گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ارواح کو اجسام میں داخل ہونے کا حکم فرمایا پس بحکمِ الٰہی وہ (اجسام میں) داخل ہو گئیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (الحجر ۔29)

ترجمہ: اور میں نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔

پس جب ارواح کا اجسام سے تعلق قائم ہو گیا تو وہ اُس عہد (اقرار) کو بھول گئیں جو انہوں نے یوم میثاق اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ[2] (کے جواب میں) قَالُوْا بَلٰى[3] کہہ کر کیا تھا۔ پس وہ اپنے اصلی وطن (عالم لاھوت) کو بھول گئیں۔ پس اللہ رحمٰن نے اُن پر رحم فرماتے ہوئے ان کی مدد کی اور آسمانی کتابیں نازل فرمائیں تاکہ وہ اپنے وطنِ اصلی کو یاد رکھیں جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ (ابراہیم ۔5)

ترجمہ: اور یاد دلائیں اُن کو اللہ کے (ساتھ گزرے) دن۔

یعنی اللہ کے وصال میں گزرے دن جو وہ ارواح کی صورت میں گزار چکے تھے۔ پس تمام انبیاء کرام دنیا میں تشریف لائے اور (انہیں اس عہد کی یاددہانی کرواتے ہوئے) واپس آخرت کی طرف لوٹ گئے۔ لیکن بہت ہی کم لوگوں نے اُن کی بات سنی اور اُن کی طرف مائل ہوئے (یعنی ان کی طرف رجوع کیا) اور اُن میں اپنے اصلی وطن تک پہنچنے کے لیے شوق پیدا ہوا۔ یہاں تک کہ نبوت کا سلسلہ روحِ اعظم یعنی خاتم الرسالت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچا جو گمراہی میں گم لوگوں کے لیے ہادی ہیں، جنہیں غافل لوگوں کے لیے (اللہ تبارک وتعالیٰ نے) رسول بنا کر بھیجا تاکہ وہ انہیں غفلت کی نیند سے جگا کر اُن کی بصیرت (باطنی نگاہ) کو روشن کریں۔ پس وہ لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے وصال اور دیدار (ملاقات) اور اس کے ازلی جمال کی طرف بلائیں (یعنی دعوت دیں) جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (یوسف ۔108)

ترجمہ: (آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) فرما دیں میرا راستہ یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ (کے قرب) کی دعوت دیتا ہوں اور میں اور میری اتباع کرنے والے صاحب بصیرت ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

﴿ اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ

ترجمہ: میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں اُن میں سے تم جس کی اتباع کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

بصیرت روح کی آنکھ ہے جو اولیاء اللہ کے لیے مقام قلب (فواد) میں کھلتی ہے اور یہ ظاہری علم (کے پڑھنے) سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ باطنی علم لدنی[4] سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا O (الکہف ۔65)

ترجمہ: اور ہم نے اسے علم لدنی تعلیم کیا (سکھایا)۔

پس انسان پر واجب ہے کہ عالم لاھوت سے باخبر مرشد (کامل اکمل) کی تلقین سے اہل بصیرت کی یہ آنکھ حاصل کرے۔

پس اے بھائیو! خبردار رہو اور اپنے رب سے توبہ کے ذریعے بخشش طلب کرتے رہو جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے (قرآن پاک میں) ارشاد فرمایا:

﴿ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ O (آل عمران ۔133)

ترجمہ: اور تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرتے رہو اور وہ جنت کہ جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین (کی چوڑائی) سے بھی زیادہ ہے اور جو اللہ کے قرب میں رہنے والوں[5] کے لیے بنائی گئی ہے۔

اور طریقت کا راستہ اپناؤ اور روحانی قافلوں کے ساتھ اپنے رب کی طرف رجوع کرو۔ پس قریب ہے (وہ وقت) کہ (اللہ کے قرب کی طرف جانے والے) راستے منقطع کر دیئے جائیں گے[6] اور تمہیں اُس عالم کی جانب کوئی رفیق (ساتھی، مرشد) نہ ملے گا۔ اور ہم ذلیل دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لیے نہیں آئے اور نہ ہی صرف کھانے پینے کے لیے آئے ہیں بلکہ نفس خبیثہ کی خواہشات کو ختم کرنے آئے ہیں۔ پس تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمہارے منتظر ہیں اور تمہارے لیے غمگین ہیں جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

ترجمہ: میں آخری زمانہ میں آنے والے اپنے امتیوں کے لیے غمگین ہوں۔

علم

پس ہم پر نازل ہونے والا علم دو قسم کا ہے۔ ایک علم ظاہر اور دوسرا علم باطن یعنی شریعت اور معرفت۔ شریعت کا حکم ہمارے ظاہر پر ہے اور معرفت کا حکم ہمارے باطن پر۔ ان دونوں علوم کے جمع ہو جانے کا نتیجہ علم حقیقت ہے جیسا کہ درخت اور پتوں کے ملنے سے پھل حاصل ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

1 عالم لاھوت اور عالم جبروت 2 کیا میں تمہارا رب نہیں؟ 3 انہوں نے کہا "بے شک" 4 وہ علم جو بذریعہ وھم اور الہام بواسطہ مرشد کامل اکمل طالبان مولیٰ کے قلوب میں اتارا جاتا ہے۔

5 متقین 6 یعنی طالب کا وقتِ آخر آ جائے گا اور اس فانی دنیا میں اس کا وقتِ زندگی ختم ہو جائے گا اور انسان کو دی گئی مہلت بھی ختم ہو جائے گی۔

﴿ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ ○ بَیْنَھُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ (الرحمٰن۔20-19)

ترجمہ: دو سمندر اُس (اللہ) نے اس طرح بہائے کہ باہم ایک نظر آتے ہیں لیکن اُن کے درمیان ایک حد ہے جس سے وہ مل نہیں پاتے۔

صرف علمِ ظاہر سے حقیقت کو حاصل نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی مقصود (اللہ تعالیٰ) کا وصال حاصل ہو سکتا ہے پس کامل عبادت وہ ہے جس میں دونوں (علمِ ظاہر و علمِ حقیقت) جمع ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ (الذاریات۔56)

ترجمہ: اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا۔

یعنی اپنی معرفت کے لیے پیدا فرمایا۔ پس جو اللہ تبارک و تعالیٰ کو پہچانتا ہی نہیں وہ اس کی عبادت کیونکر کر سکتا ہے۔

پس (اللہ تعالیٰ کی) معرفت قلب (باطن) کے آئینہ سے نفس کے پردے کو دور کرنے سے حاصل ہوتی ہے جس کے بعد (طالب کو) قلب کی گہرائی میں مقامِ سِرّ میں پوشیدہ حسنِ ازلی کے خزانے (اللہ تعالیٰ) کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ

ترجمہ: میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا پس مجھے چاہت ہوئی کہ میری پہچان کی جائے تو میں نے مخلوق کو پیدا فرمایا۔

پس یہ عیاں ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی پہچان کے لیے پیدا فرمایا۔

معرفت

معرفت دو طرح کی ہوتی ہے۔ معرفتِ صفاتِ الٰہی اور معرفتِ ذاتِ الٰہی۔ معرفتِ صفات دونوں جہان میں جسم کا حصہ ہے اور معرفتِ ذات آخرت (عالمِ لاھوت) میں روحِ قدسی کا حصہ ہے[1] جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (البقرہ۔87)

ترجمہ: اور ہم نے اس کی مدد روحِ قدسی سے کی۔

اور وہ روحِ قدسی سے فور اُمد حاصل کرتے ہیں۔

دونوں قسم کی معرفتیں دو طرح کے علوم کے بغیر حاصل نہیں ہوتیں یعنی علمِ ظاہر اور علمِ باطن، جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے جیسا کہ حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے:۔

ترجمہ: علم دو طرح کا ہے۔ ایک وہ علم جس کا تعلق زبان سے ہے اور یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر حجت ہے اور دوسرا علم وہ ہے جس کا تعلق قلب (باطن) سے ہے اور یہی نفع بخش ہے اور مقصود (ذاتِ حق تعالیٰ کی معرفت) حاصل کرنے میں فائدہ مند ہے۔

سب سے پہلے انسان علمِ شریعت کا حاجت مند ہے تاکہ وہ اس بدن کے ساتھ عالمِ معرفتِ صفاتِ الٰہیہ میں معرفت حاصل کر سکے اور وہ درجات[2] ہیں۔ اس کے بعد علمِ باطن ہے جس کے ذریعے روحِ (قدسی) عالمِ معرفت میں ذاتِ حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتی ہے اور یہ اُس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک شریعت و طریقت کی مخالف رسومات کو ترک نہ کیا جائے۔ اور اس کے حصول کے لیے بغیر دکھاوے اور نمائش کے، صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات کی رضا کے لیے نفسانی و روحانی مشقتیں (مجاہدۂ نفس و قلب) برداشت کی جائیں۔ فرمانِ حق تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖٓ اَحَدًا ○ (الکہف۔110)

ترجمہ: پس جو اپنے رب کے دیدار (اور ملاقات) کا طلبگار ہے اُسے چاہیے نیک اعمال کرے[3] اور اپنے واحد رب کی بندگی (اور اطاعت) میں کسی دوسرے کو شریک نہ ٹھہرائے (یعنی غیر اللہ کی طرف متوجہ نہ ہو)۔

اور عالمِ معرفت عالمِ لاھوت ہے اور وہی (انسان کا) اصلی وطن ہے جس کا ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے جہاں روحِ قدسی کو عمدہ و بہترین صورت میں ڈھالا گیا (تخلیق کیا گیا)۔ اس سے مراد ہے کہ روحِ قدسی ہی حقیقی انسان ہے جو قلب

فرمانِ باھُوؒ

جان لے کہ علماء ورثاءِ انبیاء ہیں اور یہ وہ علماء ہیں جو کافروں سے رشوت نہیں لیتے نہ وہ کافروں سے دھوکہ کرتے ہیں اور نہ ہی کثرتِ مال و زر سے دین کو بیچتے ہیں۔ یاد رکھ کہ انبیاءؑ نے راہِ خدا میں دین کی خاطر سر قربان کر دیئے مگر درمِ دنیا قبول نہ کیے۔ صحابہ کرامؓ نے دینِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پاسداری میں قتل ہو کر شہادت قبول کر لی مگر اہلِ دنیا ہونا قبول نہ کیا۔ الٰہی! تُو اس کی مدد فرما جس نے دینِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدد کی۔ علمائے عامل اور فقرائے کامل دینِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طاقتور مددگار رہیں۔ الٰہی! مجھے اُس سے مایوس کر جو دینِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مایوس ہوا۔ دنیا کا حریص عالم، اہلِ بدعت جاہل فقیر اور دینِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے برگشتہ منافق دونوں جہان میں خوار و بے دین ہوتے ہیں۔ (محک الفقر کلاں)

---

۱ اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات کی معرفت تو عالمِ موجودات میں ہی ممکن ہے جہاں ہر چیز اللہ کی صفات کی مظہر ہے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے چہرے اور ذات کی معرفت بشریت (عالمِ ناسوت) سے نکل کر عالمِ لاھوت تک پہنچ جانے پر روحِ قدسی ہی کر سکتی ہے۔ ۲ یعنی صفات کی معرفت سے انسان کو مقامات و مراتب ہی حاصل ہوتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کا قرب نہیں۔ ۳ یہاں نیک اعمال سے مراد ظاہری بے روح عبادات نہیں بلکہ اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صاحبِ امر (مرشد کامل) کی اطاعت ہے۔

فرمانِ باھُوؒ

حضرت پیر دستگیر محی الدین قدس سرہٗ العزیز کے طالب مرید قطب الاقطاب ہوتے ہیں جو ہر وقت اللہ تعالیٰ سے جواب باصواب پاتے رہتے ہیں۔ آپؓ اپنے طالبوں اور مریدوں کے مراتبِ قرب و وصال کو صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے سلب نہیں ہونے دیتے بلکہ آپؓ انہیں قرب و وصال کے لازوال مراتب پر ہمیشہ بحال رکھتے ہیں۔ اگرچہ آپؓ کے مرید ہزار ہا صغیرہ و کبیرہ گناہ کر بھی بیٹھیں تو ظاہر میں آپؓ اُن کے گناہوں کو خلق کی نظروں سے پوشیدہ رکھتے ہیں اور باطن میں اللہ تعالیٰ اور اُسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بخشوا دیتے ہیں کیونکہ مرشد وہ ہے جو اپنے طالبوں اور مریدوں کی عاقبت گناہوں سے پاک رکھے اور انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس کی حضوری بخشے۔ (محک الفقر کلاں)

(باطن) کی گہرائی میں (پوشیدہ) ہے اور اس کے وجود کا اظہار ابتدائی طور پر توبہ وتلقین اور کلمہ طیب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے زبانی ذکر سے ہے اور قلب کے زندہ ہو جانے پر دل کی زبان سے (ذکر جاری ہو جانے پر) ہے۔ اہلِ تصوف (صوفیاء کرام) نے اسے طفلِ معانی کا نام دیا ہے کیونکہ اس کا تعلق معنویاتِ قدسیہ[1] سے ہے اور طفلِ معانی اس لیے کہا گیا ہے کہ:

1۔ یہ قلب سے پیدا ہوتا ہے جیسے بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے اور اس کی پرورش باپ کرتا ہے اور پھر وہ آہستہ آہستہ بلوغت کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔[2]

2۔ جس طرح بچوں کو ظاہری تعلیم دی جاتی ہے اسی طرح اسے بھی علمِ معرفت سکھایا جاتا ہے۔

3۔ جیسے بچہ ظاہری گناہوں کی گندگی سے پاک ہوتا ہے پس یہ (طفل معانی یعنی روحِ قدسی) بھی اُسی طرح شرک، غفلت اور بشری صفات (یعنی ظاہری وجود کی ضروریات) سے پاک ہوتا ہے۔

4۔ پاکیزہ صورت (بچوں) کی طرح یہ بھی صاف اور پاکیزہ ہے اور نیند (عالمِ خواب) میں فرشتوں کی مانند نظر آتا ہے۔

5۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کے خدمت گاروں کو طفولیت کے وصف سے نوازا ہے جیسا کہ اللہ عزّ وجل نے فرمایا:

۞ یَطُوْفُ عَلَیْھِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ (الواقعہ۔17)

ترجمہ: ان (اہلِ جنت) کے گرد (کم عمر) لڑکے طواف کریں گے جو ہمیشہ ایسے ہی (کم عمر) رہیں گے۔

۞ غِلْمَانٌ لَّھُمْ کَاَنَّھُمْ لُؤْلُؤٌ مَّکْنُوْنٌ (طور۔24)

ترجمہ: ان (اہلِ جنت) کے لیے ایسے غلمان (جنت کے کمسن خادم) ہوں گے جیسے چھپے ہوئے موتی۔

6۔ اس (روحِ قدسی) کا یہ نام (یعنی طفلِ معانی) اس کی پاکیزگی اور شفافیت کے باعث ہے۔

7۔ اُس (روحِ قدسی) پر اسم (طفلِ معانی) کا اطلاق جسم کے ساتھ تعلق اور بشری صورت کی بنا پر صرف مجازی طور پر ہے اور یہ اطلاق اس کی عمدہ صورت کی وجہ سے ہے نہ کہ باطنی صفائی کی بنا پر۔

اگر ایک نظر اس (روحِ قدسی) کے ابتدائی حال کی طرف دیکھا جائے تو (پتہ چلتا ہے کہ) وہی اصلی وحقیقی انسان ہے جس کی اللہ کے ساتھ ایک خاص نسبت ہے۔ پس جسم اور بشریت اس سے ہرگز محرم (واقف) نہیں ہیں جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

۞ لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُ فِیْہِ مَلَکٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ

ترجمہ: اللہ کے ساتھ میرا (قربت کا) ایک وقت ایسا بھی ہے، جس میں کسی مقرب فرشتے اور نبی ورسول کی کوئی گنجائش نہیں۔

اس سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بشریت ہے اور مقرب فرشتے سے مراد روحانیت ہے جسے جبروت کے نور سے پیدا کیا گیا۔ چونکہ فرشتے کو بھی اس (جبروت کے نور) سے پیدا کیا گیا پس وہ نور لاھوت میں داخل نہیں ہو سکتا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

۞ اَنَّ لِلّٰہِ جَنَّۃً لَا فِیْھَا حُوْرٌ وَّلَا قُصُوْرٌ وَلَا عَسَلٌ وَلَا لَبَنٌ بَلْ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی وَجْہِ اللّٰہِ تَعَالٰی

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک جنت ایسی بھی ہے جس میں نہ حوریں ہیں نہ محلات، نہ شہد و دودھ (کی نہریں) بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے چہرے کا دیدار ہے۔

فرمانِ حق تعالیٰ ہے:

۞ وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ (القیامت۔22)

ترجمہ: بہت سے چہرے اس (قیامت کے) دن بہت تروتازہ ہوں گے (یعنی انہیں کوئی پریشانی نہ ہوگی وہ بس دیدارِ حق میں مصروف ہوں گے)۔

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

۞ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ کَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ

ترجمہ: جلد ہی تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جیسے چودھویں رات کے چاند کو (بغیر کسی مشکل اور پریشانی کے) دیکھتے ہو۔

اگر کوئی فرشتہ یا بشری وجود اس عالم میں داخل ہوگا تو فوراً جل کر راکھ ہو جائے گا۔ حدیثِ قدسی میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

۞ لَوْ کَشَفْتُ سُبُحَاتِ وَجْہِ جَلَالِیْ لَاَحْتَرَقَتْ کُلُّ مَا انْتَھٰی اِلَیْہِ بَصَرِیْ

ترجمہ: اگر میں اپنے چہرے کے جلال کے انوار سے پردہ ہٹا دوں تو تا حدِ نگاہ ہر چیز جل کر راکھ ہو جائے۔

اسی طرح جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا ''اگر میں ناخن کے برابر بھی آگے بڑھا تو جل جاؤں گا۔'' (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

---

[1] روحِ قدسی کی تفصیل [2] یعنی مرشد کامل اکمل کی صحبت اور تربیت سے روح قربِ الٰہی میں ترقی کرتی ہے۔

اَللّٰہُ
منزلِ تسلیم و رضا

عنبرین مغیث سروری قادری ایم اے (ابلاغیات)

راہِ فقر یعنی اللہ کی معرفت، دیدار اور وصال کی راہ میں تسلیم و رضا کو کلیدی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ فقر کا آغاز بھی اللہ کے افعال اور احکام پر تسلیم و رضا اختیار کرنے سے ہوتا ہے اور فقر کی انتہا بھی تسلیم و رضا میں کاملیت حاصل کرنا ہے۔ تسلیم و رضا کا متضاد انکار، ضد اور ناراضی ہے اور ظاہر ہے کہ بندہ اللہ کے افعال اور احکام کے متعلق انکار یا اعتراض کا رویہ اپنا کر قربِ الٰہی کی راہ پر ایک قدم بھی نہیں بڑھا سکتا۔

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ اپنی تخلیقات کے متعلق فرماتا ہے: ترجمہ: ''کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نگاہ نہیں کی کہ ہم نے اسے کس طرح سے بنایا ہے اور کس طرح سے مزین کیا ہے اور اس میں کسی قسم کا شگاف اور نقص نہیں ہے۔'' (المائدہ۔50) ایک اور جگہ فرمایا ترجمہ: ''اللہ (وہ ہے) جس نے سات آسمان بنائے مطابقت میں (اے انسان) کیا تو اللہ رحمٰن کی تخلیق میں کچھ فرق دیکھتا ہے۔ نگاہ اُٹھا کر دیکھ تجھے کوئی رخنہ نظر آتا ہے۔ پھر دوبارہ نگاہ اُٹھا۔ تیری نظر تیری طرف ناکام پلٹ آئے گی تھکی ماندی۔'' (الملک 4-3)

بے شک انسان خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، آج تک اللہ تعالیٰ کی کسی تخلیق میں کوئی نقص تلاش نہیں کر سکا۔ سورج، چاند، ستارے، سات آسمان، زمین، پھل، پھول غرض ہر شے تخلیق کا کمال ہے، بے عیب اور بے مثال۔ اللہ کی ہر تخلیق کی طرح انسان اور اس کی تقدیر بھی اللہ کی ایک تخلیق ہے۔ جس طرح اس کی ہر تخلیق ایسی بے عیب ہے کہ اس میں نقص نکالنے یا اعتراض کرنے کی کوئی گنجائش نہیں بالکل اسی طرح اس نے جس صورت اور جس فطرت پر انسان کو پیدا فرمایا اور جس طرح ہر انسان کی تقدیر لکھی اس میں بھی کسی اعتراض یا نقص کی کوئی گنجائش نہیں۔ لیکن جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں انسان کو جاہل اور ناشکرا فرمایا ہے، انسان اللہ کی باقی تخلیقات میں تو اللہ کے کمال کو تسلیم کرتا ہے لیکن جہاں اس کی اپنی زندگی اور تقدیر کی بات آتی ہے، وہ اعتراضات سے بھر جاتا ہے۔ اپنے گرد و پیش کے حالات، اپنے ماضی، اپنے حال اور اپنے مستقبل کے بارے میں کبھی اللہ سے راضی نہیں ہوتا۔ ہمیشہ سوچتا ہے کہ میرے ساتھ یوں نہیں یوں ہونا چاہیے تھا، اور جو کچھ ہوا وہ ٹھیک نہیں ہوا۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ اس کا اپنے یا دوسروں کے حالات پر اعتراض اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر پر اعتراض یعنی اللہ پر اعتراض ہے اور اس کا یہ اعتراض و گلہ اسے اس کے کامل پروردگار سے کس قدر دور لے جائے گا۔ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں: ''اللہ، جو کہ عزت و جلال والا ہے، کی ذات پر بندے کا نزولِ تقدیر کے وقت اعتراض کرنا دین اور توحید کی موت ہے، توکل و اخلاص کی موت ہے اور یقین کی موت ہے۔ مومن بندہ چوں و چرا کو نہیں جانتا بلکہ وہ صرف ہاں کہتا ہے اور سر کو جھکا دیتا ہے۔'' (الفتح الربانی۔ مجلس 1)

درحقیقت ''تسلیم'' اور ''رضا'' دو علیحدہ علیحدہ احوال ہیں۔ ''تسلیم'' تقدیر کے نزول سے قبل اللہ سے یہ وعدہ کر کے اختیار کی جاتی ہے کہ اے اللہ تیری طرف سے ہم پر جو بھی حالات آئیں گے ہم ان کو من و عن قبول کریں گے اور کوئی شکایت نہ کریں گے یعنی تیری رضا میں راضی رہیں گے اور ''رضا'' کا اظہار قضا و قدر کے نزول کے بعد اس تسلیم کے وعدہ کو پورا کر کے کیا جاتا ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایا کرتے تھے کہ اسئلك الرضا بعد قضاء ترجمہ: ''اے اللہ میں قضا کے آجانے کے بعد تیری رضا کا تجھ سے سوال کرتا ہوں۔'' یعنی مجھے وہ صفت عطا کر کہ جب تیری طرف سے تقدیر نازل اور ظاہر ہو جائے تو مجھ کو اس پر راضی پائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تقدیر کے ظاہر ہونے سے پہلے رضا کا ارادہ اور عزم تو ہو سکتا ہے جسے

تسلیم کہا جاتا ہے، رضا کا اظہار نہیں کیونکہ عزم رضا عین رضا نہیں ہے۔ بیشتر مسلمان تسلیم کے مقام پر تو ہوتے ہیں اور بلند دعوے کرتے ہیں کہ ہم اللہ سے ہر حال میں راضی ہیں لیکن ''رضا'' کے مقام پر چند ہی ہوتے ہیں۔ جیسے ہی تقدیر ان کی خواہشات کے برعکس ظاہر ہوتی ہے ان کے راضی برضا رہنے کے دعوے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور دلوں میں گلے اور شکوے پیدا ہو جاتے ہیں خواہ زبان سے پھر بھی یہی کہتے رہیں کہ ہم اللہ سے راضی ہیں۔

تسلیم کے بعد رضا کے مقام پر انسان اس لیے نہیں پہنچ پاتا کیونکہ انسان نے اپنے مستقبل کے متعلق خود کچھ تدبیریں اور ارادے بنا رکھے ہوتے ہیں اس کی نظر اپنی خواہشوں، اپنے ارادوں، اپنی تدبیروں اور اپنی حکمت عملی پر ہوتی ہے کیونکہ انہیں وہ جانتا ہے لیکن اس کی نظر اللہ کے ارادوں، اس کی تدبیر اور اس کی حکمت عملی پر نہیں ہوتی کیونکہ وہ غیب ہے اور اس کی نظر سے اوجھل ہے۔ اسی لیے اس کا اعتبار بھی اپنی تدبیر اور اپنی حکمت عملی پر زیادہ ہوتا ہے لہٰذا جب اس کی تدبیر ناکام ہوتی ہے اور حالات اس کے ارادوں اور خواہشات کے برعکس صورتحال اختیار کر لیتے ہیں تو وہ افسوس زدہ ہو جاتا ہے اور ''رضا'' اختیار کرنے میں ناکام رہ جاتا ہے۔ ایمان تو ہوتا ہی غیب پر ہے۔ اگر انسان کا ایمان اس غیب کی تقدیر اور تدبیر پر اپنی تدبیر کے مقابلے میں زیادہ ہوتا تو وہ اس بات کو سمجھتا کہ جب اس کی اپنی بنائی ہوئی تدبیر اور حکمت عملی ناکام ہوتی ہے تو دراصل اللہ کی تدبیر اور حکمت عملی ظاہر ہو جاتی ہے اور وہ یقیناً اس کی تدبیر سے بہتر ہوگی اور اس کے ساتھ ساتھ دوسروں کے حق میں بھی اچھی ثابت ہوگی۔ پھر اس وقت وہ اپنی تدبیر میں ناکامی کے باوجود دل سے اللہ سے اور اپنے حالات سے راضی ہو جاتا اور اطمینان قلب کی دولت کے ساتھ ساتھ رضا و قرب الٰہی بھی پاتا۔ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

❁ اللہ تعالیٰ کے سامنے خاموش رہنا اور صبر و رضا کے ساتھ سر تسلیم خم کر دینا دعا و سوال کرنے سے بہتر ہے۔ تو اپنے علم کو اس کے ساتھ ختم کر دے اور اس کی تدبیر کے سامنے اپنی تدبیر کو علیحدہ علیحدہ رکھ اور اپنے ارادہ کو اس کے ارادہ کے لیے منقطع کر دے اور اپنی عقل کو اس کی قضا و قدر کے نازل ہونے کے وقت علیحدہ کر دے۔ اگر تو اللہ تعالیٰ کو پروردگار، مددگار اور سلامتی دہندہ سمجھتا ہے تو اس کے ساتھ یہی معاملہ کر۔ (الفتح الربانی)

❁ نعمتوں کے حصول اور مصائب سے بچنے کی کوشش نہ کر، نعمتیں اگر مقدر میں ہیں تو وہ تجھے مل کر رہیں گی چاہے تو انہیں طلب کرے یا ناپسند کرے۔ اسی طرح اگر مصیبت تیری قسمت میں ہے اور تیرے لیے اس کا فیصلہ ہو چکا ہے تو خواہ تو اسے ناپسند کرے یا دعا کے ذریعے اسے ہٹانا چاہے یا صبر کرے اور جلدی جلدی اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کرے تو بھی وہ مصیبت تجھ پر آکر رہے گی۔ بلکہ اپنے تمام امور خدا ہی کے سپرد کر دے تاکہ وہ خود تیرے اندر جلوہ گر ہو۔ (فتوح الغیب)

❁ اگر تیرے بدن کا گوشت قینچیوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کاٹا جائے تب بھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لا، شکوہ شکایت سے اپنے آپ کو بچا اور محفوظ رکھ، اللہ سے ڈر، اللہ سے ڈر، پھر اللہ سے ڈر۔ بچ! بچ شکایت سے، لوگوں پر طرح طرح کی جو مصیبتیں نازل ہوتی ہیں وہ اپنے رب سے شکایت کی وجہ سے آتی ہیں۔ (الفتح الربانی)

حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اے ابنِ آدم! اک تیری چاہت ہے اور اک میری چاہت ہے، ہو گا وہی جو میری چاہت ہے۔ پس اگر تو نے سپرد کر دیا اپنے آپ کو اس کے، جو میری چاہت ہے تو وہ بھی میں تجھے دوں گا جو تیری چاہت ہے۔ اگر تو نے مخالفت کی اس کی جو میری چاہت ہے تو میں تھکا دوں گا تجھ کو اس سے جو تیری چاہت ہے پھر وہی ہو گا جو میری چاہت ہے۔''

پس کیا آسان نسخہ ہے اپنی دنیا و آخرت سنوارنے کا کہ بندہ اپنی چاہت کو اللہ کی چاہت پر نثار کر دے یہ سوچتے ہوئے کہ وہ میرا خالق ہے اس نے میرے لیے کچھ اچھا ہی سوچ رکھا ہو گا، اپنی چاہت اور خواہش کو ضد بنانے کی بجائے اس کی چاہت کے ظاہر ہو جانے کا انتظار کرنا چاہیے۔ اللہ کی ذات پر بھروسہ اور توکل اختیار کرتے ہوئے اپنی رضا سے دستبردار ہو جانا ہی مقام ''رضا'' ہے۔

رضا کی فضیلت میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اَلرِّضَاءُ بِالْقَضَاءِ بَابُ اللّٰہِ الْاَعْظَمُ ترجمہ: ''قضائے الٰہی پر راضی رہنا اللہ تک پہنچنے کا سب سے بڑا دروازہ ہے'' ایک اور مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''ایمان کا ذائقہ وہی چکھتا ہے جو اللہ سے، اسے اپنا رب جان کر راضی ہو۔'' مزید فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ کاملہ سے روح پیدا فرمائی، رضا اور یقین میں خوشی و شادمانی کو چھپا کے رکھا، اور رنج و غم کو شک اور غصے میں پوشیدہ فرما دیا''۔ اللہ سے راضی وہی ہو گا جسے اللہ کے بہترین کارساز اور حکمت والا ہونے پر یقین ہو گا، یہی یقین اسے ہر حال میں خوش اور راضی رکھے گا۔ جبکہ جسے اس بات میں ذرا بھی شک ہو گا کہ اللہ جو کرتا ہے وہ ٹھیک کرتا ہے، وہ ہر حال میں گلے، رنج و غم میں ڈوبا رہے گا اور اللہ پر شک کرنے والا ایمان سے کوسوں دور ہے۔

روایت میں ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک قوم سے پوچھا کہ تمہارے ایمان کی کیا علامت ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مصیبت میں ہم صبر کرتے ہیں اور نعمت پر شکر کرتے ہیں اور قضائے الٰہی پر راضی رہتے ہیں۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''اس قوم کے لوگ حکما اور علماء ہیں۔ کمال علم کی وجہ سے ان کا مرتبہ انبیاء کے مرتبہ کے قریب ہے۔''

ایک حدیثِ قدسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا ''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں وہ خدا ہوں کہ میرے سوا اور کوئی خدا نہیں۔ جو میری بلا پر صبر اور میری نعمت پر شکر نہ کرے گا اور میری قضا پر راضی نہ رہے گا اس سے کہہ دو کہ دوسرا خدا ڈھونڈ لے۔'' مزید ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ''میں نے تقدیر بنائی اور تدبیر کی اور اپنی صنعت کو مضبوط کر دیا اور جو کچھ ہو گا اس کا حکم کر چکا۔ جو اس پر راضی ہے میں بھی اس سے راضی ہوں اور جو اس پر ناراض ہے میں بھی اس پر غصہ ہوں۔''

جس شخص کے دل میں یہ خواہش ہو کہ اللہ اس سے راضی ہو جائے، اسے پہلے خود اللہ سے ہر حال میں راضی ہونا ہو گا، خواہ نعمت ہو یا بلا، آسانی ہو یا تنگی اور اس کا اللہ سے راضی ہونا

ہی اس بات کی علامت ہے کہ اللہ بھی اس سے راضی ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمتہ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ کس طرح معلوم ہو کہ اللہ راضی ہے یا نہیں، فرمایا ''تمہارا راضی ہونا اس کے راضی ہونے کی علامت ہے۔'' جن مومنوں کی زندگی کا مقصد ہی رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہتے ہیں۔ شیخ فرید الدینؒ فرماتے ہیں کہ حضرت فضیل بن عیاضؒ کے لبوں پر تیس سال تک تبسم نہ آیا لیکن جب ان کا بیٹا فوت ہو گیا تو لوگوں نے خلافِ معمول ان کو متبسم دیکھا، پوچھا کہ اے شیخ یہ تبسم کرنے کا کون سا موقع ہے؟ فرمایا'' مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے فرزند کی موت میں راضی تھا اس لیے میں نے بھی رضائے الٰہی کی خاطر تبسم کیا، جو اس کی خوشی وہی میری خوشی۔'' حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''رضا کے معنی اختیار کو اٹھا دینے کے ہیں اور رضا یہ ہے کہ بلا کو نعمت سمجھ۔'' حضرت منصور حلاج رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''رضا یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں کاٹ کر تختہ دار پر لٹکایا جائے تو آہ بھی نہ کرے۔'' حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''میں تسلیم کے معاملے میں اس منزل پر پہنچ گیا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو (میری جگہ) اعلیٰ علیین (فردوسِ بریں) میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جگہ دے دے اور مجھے ہمیشہ کے لیے اسفل سافلین (یعنی جہنم کا انتہائی نچلا درجہ) میں پھینک دے تو میں اس شخص سے بھی زیادہ اللہ سے راضی ہوں گا۔''

رضا کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کی طرف سے آنے والی ہر حالت خواہ ظاہری ہو یا باطنی، پر دل و جان سے راضی رہے اور اسے قبول کرے۔ لیکن یہ رضا مشیئت الٰہی پر ہونی چاہیے معصیت یعنی گناہ اور کفر پر نہیں ہونی چاہیے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ سے بُعد (دوری) کی حالت پر ہونی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے کے کفر اور معصیت کی حالت پر ہرگز راضی نہیں ہوتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خود سے دور رکھنے پر راضی ہے۔ وہ تو چاہتا ہے کہ بندے نیکی و عبادات کے ذریعے اس کے زیادہ سے زیادہ قریب ہونے کی کوشش کریں۔ تسلیم و رضا تقدیر اور افعال الٰہی پر اختیار کی جاتی ہے اور کفر نہ اللہ کا فعل ہے (نعوذ باللہ) اور نہ ہی اللہ نے بندے کی تقدیر میں لکھا ہے۔ گناہ و کفر خالصتاً بندے کا اپنا فعل ہے جو وہ شیطان کے زیرِ اثر کرتا ہے جس پر اسے راضی نہیں بلکہ شرمندہ ہونا ہے اور توبہ و استغفار کرنی ہے۔ تسلیم و رضا یہ نہیں ہے کہ اپنی ذات سے سرزد ہونے والے یا اپنے اردگرد ہونے والے گناہوں کو بھی اللہ کی تقدیر سمجھ کر قبول کیا جائے اور ان سے راضی رہا جائے۔ ازل میں جب حضرت آدم و حوا علیہم السلام نے جنت میں شیطان کے فریب میں آ کر دانۂ گندم کھا لیا اور اللہ کے حکم کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت سے نکال کر دنیا میں بھیج دیا۔ یہ مشیئتِ الٰہی تھی کہ اللہ تعالیٰ دنیا کو آباد کرنا چاہتا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کو بطور خلیفہ زمین پر اتارنا چاہتا تھا۔ حضرت آدمؑ نبی تھے اور یقیناً اللہ کی اس مشیئت اور ارادہ سے واقف تھے لہٰذا انہوں نے اللہ کے اس فعل پر کہ اس نے حضرت آدم و حوا کو زمین پر اتار دیا، رضا اور موافقت اختیار کی لیکن اپنی غلطی پر بالکل راضی نہ ہوئے اور تقریباً سو سال حالتِ استغفار میں گزار دیئے۔

سرکار غوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''خیر و شر ایک درخت کی دو ٹہنیاں ہیں۔ ایک ٹہنی میں میٹھا پھل لگتا ہے اور دوسری ٹہنی میں کڑوا'' (فتوح الغیب)۔ اللہ تعالیٰ نے بندے کو اختیار دیا ہے کہ وہ اس درخت سے میٹھا پھل لے یا کڑوا۔ خیر اللہ کے احکام کی موافقت میں ہے اور شر ان کی مخالفت میں۔ رضا بھی اللہ اور اس کے احکام کی موافقت سے حاصل ہوتی ہے اور ناراضی مخالفت سے۔ لہٰذا بندۂ خدا پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو جس حال میں پیدا کیا اور جس حال میں رکھا، اس کی موافقت اختیار کرے اور اس پر ہرگز اعتراض نہ کرے۔ اللہ سب سے بڑا رحیم اور کریم ہے وہ اپنی کسی بھی مخلوق کو کبھی بھی تکلیف نہیں پہنچاتا، اس سے بڑھ کر کوئی ذات رحیم و کریم نہیں ہو سکتی۔ بندہ یہ جانتا ہے لیکن اس بات پر اس کا ایمان اتنا کمزور ہے کہ وہ جب خود پر تکلیف آئے تو بھی اعتراض کرتا ہے اور جب دوسروں کو کسی مشکل حالت میں دیکھے تو بھی اللہ سے گلہ کرتا ہے کہ فلاں کو اندھا یا گونگا، بہرا کیوں پیدا کیا، فلاں کے سر سے والدین کا سایہ کیوں چھین لیا، فلاں کو فلاں بیماری میں کیوں مبتلا کیا وغیرہ وغیرہ۔ حیرت ہے اللہ کی رحمت اور کرم پر ان کا بھروسہ اس قدر قلیل ہے۔ اللہ بہتر حکمت والا ہے یا انسان؟ اگر اس نے اپنی مخلوق کے لیے کسی حالت کو پسند فرمایا ہے تو ضرور اس میں اس کی کوئی حکمت ہو گی اور اس تنگی کی حالت کے بدلے وہ ضرور اس کو آخرت میں خیرِ کثیر سے نوازنے کا ارادہ رکھتا ہو گا جس سے بندے لاعلم ہوتے ہیں۔ حضرت علامہ ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''عارف کی اعتراض کی زبان کاٹ دی جاتی ہے''۔

روایت میں ہے کہ ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے کوہِ طور پر ملنے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک شخص کو دیکھا جو معذور تھا اور کسی شدید بیماری میں مبتلا بُری حالت میں پڑا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کی حالت پر رحم آ گیا۔ انہوں نے اللہ پاک کی بارگاہ میں عرض کی کہ اس شخص کا کیا قصور ہے اسے اس بُری حالت میں کیوں رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اچھا اے موسیٰ میں آپ کے کہنے پر اسے تندرست کر دیتا ہوں۔ حضرت موسیٰ اللہ کے شکر گزار ہوئے۔ کچھ عرصے بعد حضرت موسیٰ نے پھر اس شخص کو دیکھا اس حالت میں کہ وہ ڈاکو اور قاتل بن چکا ہے اور لوگوں پر شدید ظلم و ستم ڈھا رہا ہے، حضرت موسیٰ کو شدید دکھ ہوا۔ اس دن جب حضرت موسیٰ کوہِ طور پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''کہیے موسیٰ جس حالت میں ہم نے اسے رکھا ہوا تھا وہ بہتر تھی یا وہ جو آپ نے اس کے لیے مانگی''۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا'' بے شک اے میرے رب تو ہی بہتر جانتا ہے کہ کس بندے کو کس حال میں رکھنا بہتر ہے۔'' پس جب ایک مومن بندہ کسی دوسرے تکلیف میں مبتلا مومن بندے کے لیے دعا کرے تو نہ اس دعا میں اس بندے کی حالت پر اللہ سے گلہ شامل ہونا چاہیے اور نہ دعا کو ضد بنانا چاہیے بلکہ یہ یقین ہونا چاہیے کہ اللہ اپنے بندوں کا بھلا بُرا خوب جانتا ہے اور اپنے اس بندے کے لیے بھی اس نے ضرور کچھ بہتر سوچ رکھا ہے۔ ''آثار'' میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اَللّٰھُمَّ دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ اِذَا عَمِلْتُہٗ رَضِیْتَ عَنِّیْ ترجمہ: ''اے اللہ مجھے ایسا عمل بتا جسے میں سرانجام دوں تو تو

مجھ سے راضی ہو جائے۔'' اللہ نے جواب میں ارشاد فرمایا ''اے موسیٰ تجھ میں اس چیز کی طاقت نہیں ہے'' حضرت موسیٰ سجدے میں گر کر عاجزی و گریہ زاری کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی ''اے عمران کے بیٹے میری رضا، میری قضا پر تیرے راضی رہنے میں ہے۔''

رضا کی دو اقسام ہیں ایک اللہ کا بندے سے راضی ہونا اور دوسرے بندے کا اللہ سے راضی ہونا۔ دونوں ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ جب بندہ اللہ کی ہر تقدیر پر راضی ہوتا ہے تو اللہ بھی بندے سے راضی ہوتا ہے اور اللہ کے اپنے بندے سے راضی ہونے کی بدولت ہی بندے کو یہ توفیق حاصل ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے ہر فعل پر راضی ہوتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''حق تعالیٰ کی رضا کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ بندے کے لیے ثواب، نعمت اور کرامت عطا کرنے کا ارادہ فرمالے اور بندے کی رضا یہ ہے کہ بندہ اس کے احکام پر ثابت قدم رہے اور اس کے ہر فرمان کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کر دے۔ پس حق تعالیٰ کی رضا بندے کی رضا پر مقدم ہوتی ہے کیونکہ جب تک اللہ تعالیٰ بندے کو توفیق نہ بخشے، وہ نہ تو اس کے حکم کی تعمیل کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کے فرمان پر ثابت قدم رہ سکتا ہے۔ اس لیے کہ رضائے بندہ رضائے الٰہی کے ساتھ وابستہ ہے اور اس کا قیام اس کی ذات کے ساتھ ہے۔'' (کشف المحجوب)

اللہ کے فیصلوں پر راضی ہو جانے میں ہی بندے کا سکون اور اطمینان پوشیدہ ہے جب تک بندہ اللہ کے فیصلوں پر گلے اور اعتراض کی حالت میں رہتا ہے بے چین و بے قرار رہتا ہے اور جب انہیں قبول کر لیتا ہے تو اللہ خود اس کے قلب کو سکون عطا کر دیتا ہے۔ سید واصف علی واصفؒ سے کسی نے پوچھا کہ خوش نصیب کون ہے؟ تو انہوں نے فرمایا ''جو اپنے نصیب پر خوش ہے۔'' اور جو اپنے نصیب اور تقدیر پر خوش نہیں وہ کسی بھی حال میں خوش نہیں رہ سکتا خواہ اللہ تعالیٰ اسے دنیا جہاں کی تمام نعمتیں بھی عطا کر دے لیکن وہ پھر بھی گلے اور اعتراض کا کوئی نہ کوئی پہلو ڈھونڈ ہی لے گا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں ''جو کوئی تسلیم و رضا کے فرش پر بیٹھا ہوا سے اللہ کی طرف سے پہنچنے والی کوئی تکلیف، تکلیف نہیں لگتی۔ اور جو سوال کرنے کی عادت بنا لیتا ہے وہ کسی حال میں بھی اللہ سے خوش نہیں رہتا۔''

فرمانِ باھُوؒ

ذکر اَللّٰہُ کے جاری ہونے اور دل کے بیدار ہونے کی علامت کیا ہے؟ وہ یہ کہ ذاکر کا دل مرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے اور اُس میں جان باقی رہتی ہے۔ زندہ دل ہرگز نہیں مرتا۔ مٹی اور کیڑے اس کا گوشت ہرگز نہیں کھاتے چاہے ہزار ہا سال ہی کیوں نہ گزر جائیں۔ دل یہ نہیں کہ جس کی جنبش تجھے وجود میں شکم کے بائیں جانب معلوم ہوتی ہے، خدانخواستہ یہ تو راہِ قلب کا کتا ہے۔ یہ حیوانی دل تو کفار و منافق و فاسق و مومن و مسلمان سب کے پاس ہے۔ دل تین قسم کا ہوتا ہے۔ ایک دل اللہ والوں کا ہے جو ہر وقت ذکرِ اَللّٰہُ کے نور سے جگمگاتا رہتا ہے اور اُس میں اللہ تعالیٰ کے عشق و محبت و شوق کی آگ بھڑکتی رہتی ہے۔ اس میں سوائے طلبِ الٰہی کے اور کوئی طلب نہیں ہوتی۔ دوسرا دل کافروں کا ہے جس میں حبِ دنیا کی ظلمت بھری رہتی ہے۔ ایسے دل والے بظاہر مومن لیکن بباطن کافر، ریاکار اور اہلِ مردار امراء کے تابعدار ہوتے ہیں۔ تیسرا دل اہلِ دنیا کا سلب شدہ دل ہے، اُس دل کے مالک معرفتِ الٰہی سے محروم و خوار، باطن سے بے خبر گدھے کی طرح باربردار جانور ہیں۔ پیر و مرید رجوعاتِ خلق میں مست ہو کر اپنے آباؤ اجداد کی ہڈیاں بیچتے ہیں۔ جس دل میں محبتِ الٰہی کی آگ بھڑکتی رہتی ہے وہ سر سے پاؤں تک غلبۂ شوق میں مبتلا رہتا ہے۔ اسے وصلِ محبوب کی پیاس اتنا مزہ دیتی ہے کہ جتنا جاڑے میں آگ کی تپش۔ (عین الفقر)

تسلیم و رضا کے متعلق اولیاء اللہ کے بہت سے اقوال منقول ہیں۔ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

- رضا اور موافقت ہی وہ بلند مقام ہے جو اولیاء اللہ کے مقامات و احوال میں سے بلند ترین مرتبہ ہے۔ (فتوح الغیب)
- اسلام کی حقیقت گردن کا جھکا دینا ہے۔ اولیاء کرام نے اپنے سروں کو جھکا دیا اور 'چوں و چرا' اور 'اس کو یوں کر اور یوں نہ کر' کو بھلا دیا۔
- اللہ تسلیم و رضا والے کو دوست رکھتا ہے اور جھگڑا کرنے والے کو دشمن۔ موافقت کرنا محبت کے لیے شرط ہے اور مخالفت کرنا شرطِ عداوت ہے۔ تم اپنے پروردگار کے سامنے اپنی گردنوں کو جھکا دو اور دنیا اور آخرت میں اس کی تدبیر پر راضی ہو جاؤ۔

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

- جان لے کہ بندہ اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوتا کہ ہر کام اس کی مرضی سے ہوا کرے۔ پس بہتر یہ ہے کہ ہر کام اللہ کے سپرد کر دیا جائے اور خود کو درمیان سے نکال لیا جائے۔ (کلید التوحید کلاں)
- حکمِ رضا کا سامنا کرتے ہوئے چہرے کو شکن آلود نہ کر اور نہ ہی حکمِ قضا سے خود کو چھپا۔ (کلید التوحید کلاں)

صبر کن صبر کہ جز صبر دوائے نیست
چہ کند گر تسلیم و رضا ندارد پیش

ترجمہ: صبر کر صبر! کہ صبر کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ اگر تو تسلیم و رضا اختیار نہ کرے گا تو کیا کرے گا۔

باھُوؒ! رضا بر قضا غالب چو گردد
ز کردہ از خدا ہرگز نہ لرزد
چرا لرزد کہ قرب او تمام است
بر آں لرزد قضا کہ ناقص، عام، خام است

رضا قاضی قضا در حکم با او
بجز حکمش نہ گیرد جان از مو

ترجمہ: اے باھُوؒ جب قضا پر رضا غالب آتی ہے تو تقدیر خداوندی کا خوف ختم ہو جاتا ہے۔ تقدیر الٰہی سے وہ کیوں ڈرے کہ جسے اللہ تعالیٰ کا قرب تمام حاصل ہو، ڈرے تو وہ جو ناقص وعام وخام ہو۔ رضا قاضی ہے اور قضا اس کی غلام ہے۔ حکم رضا کے بغیر قضا ایک بال کی بھی جان نہیں لے سکتی۔ (کلید التوحید کلاں)

❁ شیخ حارث رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''حکمِ الٰہی کے تحت قلب کے مطمئن ہو جانے کا نام رضا ہے۔''

❁ حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''قسمت کے فیصلے پر دل کے خوش ہو جانے کا نام رضا ہے۔''

❁ ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی موجودگی میں فرمایا ''اے اللہ تو ہم سے راضی ہو جا۔'' یہ سن کر حضرت رابعہ بصریؒ بولیں ''تمہیں اس بات پر ذرا بھی شرم نہیں آتی کہ تم اس کی رضا کے طالب ہو جس سے تم خود راضی نہیں ہو۔'' حاضرین میں سے کسی نے پوچھا ''اللہ بندے سے کب خوش اور راضی ہوتا ہے؟'' حضرت رابعہ بصریؒ نے فرمایا ''جب بندہ مصیبت پر اسی طرح خوش ہو جس طرح وہ نعمت وراحت پر خوش ہوتا ہے۔''

❁ شیخ ابن عطار رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ''رضا کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کے لیے روزِ ازل سے جو کچھ مقرر کر دیا، اس کا دل اس پر مطمئن ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس کے لیے انتخاب کیا ہے اس سے بہتر کوئی انتخاب نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس پر راضی رہنا اور کسی قسم کی ناراضی و ناگواری کا اظہار نہ کرنا رضا ہے۔''

❁ حضرت شیخ یحییٰ بن معاذ رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ بندۂ حق مقامِ رضا پر کب فائز ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا ''جب وہ اپنے معاملات میں ان چار اصولوں پر عمل پیرا ہو اور یہ کہے کہ (1) الٰہی! تو جو کچھ مجھے عطا فرمائے مجھے قبول ہے (2) اگر تُو مجھے عطا نہ فرمائے تو میں اس پر بھی راضی ہوں (3) اگر تُو مجھے چھوڑ دے تو تب بھی میں تیرا بندہ ہوں (4) اگر تُو مجھے قبول فرمالے تو میں ہر وقت حاضر ہوں۔ جیسا کہ ایک بزرگ نے فرمایا ''محبوب کی ہر ادا من بھاتی ہے۔''

❁ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''اے عزیز! جان کہ قضائے الٰہی پر راضی رہنا بہت بلند مقام ہے اس سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں۔ اس واسطے کہ محبت بہت بزرگ مقام ہے اور جو کچھ خدا کرے اس پر راضی رہنا محبت ہی کا ثمرہ ہے اور ہر ایک محبت کا ثمرہ نہیں بلکہ اس محبت کا ہے جو بدرجہ کمال ہو۔'' (کیمیائے سعادت)

پس اللہ کی محبت اور اس کو اپنا رب اور پروردگار ماننے کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی طرف سے آنے والی ہر تقدیر پر راضی ہوا جائے خواہ اس تقدیر کا ظاہر کیسا ہی خوفناک اور دردناک کیوں نہ ہو۔ اگر رضا اختیار کی جائے گی تو نہ صرف اس کی خوفناکی اور دردناکی جاتی رہے گی بلکہ اس میں پوشیدہ اللہ کی رحمت اور کرم بھی نظر آنے لگے گا کیونکہ جب بندہ رضا اختیار کرے گا تو اللہ بھی اس سے راضی ہو کر اس پر اپنے افعال کی پوشیدہ حکمتیں کھول دے گا۔

تسلیم ورضا یہ بھی ہے کہ بندہ اللہ کی عطا پر بھی راضی رہے اور جفا پر بھی اور اس نے جو کچھ اپنے بندے کے لیے پسند کیا ہے اسے اپنے حق میں بہترین سمجھ کر قبول کرے۔ عطا اور جفا دونوں پر یکساں راضی اور شکر گزار رہنے کا ذریعہ یہ ہے کہ بندے کی نظر نہ عطا پر ہو نہ جفا پر بلکہ عطا اور جفا بھیجنے والے پروردگار پر ہو۔ اگر بلا و مصیبت کے آنے پر نظر اس کے بھیجنے والے کی بجائے اس مشکل پر رہے گی تو وہ مصیبت سہنا ایک عذاب بن جائے گا اور اگر اللہ پر رہے گی تو اس کا مضبوط آسرا اور سہارا مصیبت میں سے آسانی سے نکال کر لے جائے گا۔ اسی طرح اگر نعمتوں اور عطاؤں کے ملنے پر بندے کی نظر انہیں بھیجنے والے اللہ کی بجائے ان نعمتوں میں الجھ جائے گی تو بندہ اللہ سے غافل ہو جائے گا اور یہ نعمت عذاب کی ہی ایک صورت بن جائے گی کیونکہ سب سے بڑا عذاب اللہ رب العزت سے غافل اور دور ہونا ہے۔ ایک بار حضرت امام حسنؓ بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے لوگوں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے اس قول کے متعلق پوچھا جو انہوں نے فرمایا ''میرے لیے فقیر ہونا غنی ہونے سے زیادہ اور بیماری صحت سے زیادہ پسندیدہ ہے'' تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ ان کے حال پر رحم کرے۔ تاہم میں تو یہ کہتا ہوں کہ جو آدمی اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کی پسند کردہ چیز کے حسن پر آگاہ ہو جائے، وہ اللہ تعالیٰ کی اپنے لیے اختیار کردہ چیز کے علاوہ کسی چیز کی آرزو نہیں کرتا۔'' اس ضمن میں حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں ''بندہ جب اللہ تعالیٰ کے اختیار کو دیکھ کر اپنی پسند اور اختیار سے اعراض کرتا ہے تو وہ ہر قسم کے غم واندوہ سے نجات پالیتا ہے اور یہ چیز حق تعالیٰ سے دوری کی حالت میں نصیب نہیں ہوتی کیونکہ اس کے لیے حضورِ حق ضروری ہے۔ لِاَنَّ الرِّضَا لِلْاَحْزَنِ نَافِیَۃٌ وَ لِلْغَفْلَۃِ مَعَالِجَۃٌ شَافِیَۃٌ کیونکہ قضائے الٰہی پر رضا غموں کو دور کرنے والی اور غفلت کے لیے علاج شافی ہے۔ حق تعالیٰ کے فیصلوں پر رضا انسان کو غموں سے دور کرتی ہے، پنجۂ غفلت سے چھڑاتی ہے، غیر خدا کا خیال دل سے دور کرتی اور مشقتوں کی قید سے آزاد کراتی ہے کیونکہ رضا کی صفت رہائی دلانا ہے۔ لیکن رضا کی اصل حقیقت یہ ہے کہ بندہ یہ جان لے کہ کسی چیز کا ملنا یا نہ ملنا اللہ عزوجل کے علم اور ارادہ کے مطابق ہوتا ہے'' (کشف المحجوب)۔ پس تسلیم ورضا جیسی نعمت اور کیا ہو سکتی ہے جو انسان کو ہر مشکل ومصیبت میں آسانی اور سکون بھی عطا کرتی ہے اور قربِ الٰہی بھی۔

جس طرح انسان دنیا میں آکر ہر دم آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کی خواہش رکھتا ہے اسی طرح اس پر لازم ہے کہ دین وایمان میں بھی آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کی خواہش کرے۔ تسلیم ورضا کے معاملے میں بھی بندہ اگر صرف دنیاوی نعمتوں یا مصائب پر ہی رضا اختیار کرنے پر اکتفا کرے گا تو یہ اس کے دین وایمان میں ترقی کے لیے کافی نہ ہو گا۔ یعنی یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ دین وایمان میں پسماندہ یا کمتر رہ جانے اور صرف دنیا کے حالات پر راضی ہو جانے کے معاملے میں ہرگز تسلیم ورضا اختیار نہ کرنی چاہیے۔ اگر ایک بندہ اپنے تھوڑے ایمان، تھوڑے قرب الٰہی، کم معرفتِ الٰہی

پر راضی ہو جائے تو یہ اس کے لیے بہت نقصان دہ ہوگا اور ایسی رضا کو ہم حقیقی تسلیم و رضا میں بالکل شمار نہیں کر سکتے کیونکہ تسلیم و رضا اللہ کے ارادے اور پسند و ناپسند کے سامنے اختیار کی جاتی ہے اور اللہ اپنے کسی بھی بندے کو اپنی معرفت اور قرب سے محروم رکھنے کا ارادہ نہیں رکھتا اور نہ ہی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے اس سے دور رہنے یا تھوڑے بہت ایمان کے درجے پر راضی ہو جائیں۔ وہ تو یہی چاہتا ہے کہ اس کا ہر بندہ ہر لمحہ اس کے مزید قرب، مزید ایمان اور مزید معرفت کی طلب اور خواہش کرے۔ اور نہ ہی بندے کے لیے یہ جائز و درست ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے ناراض رہنے پر تسلیم و رضا اختیار کر لے۔ اس طرح کی تسلیم و رضا تو خود اللہ اور بندے کے درمیان ایک بہت بڑا حجاب ہے۔ تسلیم و رضا کا مقصد تو بندے اور اللہ کے درمیان سے حجابات دور کر کے بندے کو اللہ کے قریب کرنا ہے نہ کہ مزید دور کرنا۔ حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ اربابِ رضا کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ’’اس طرح کا (تسلیم و رضا کا) اعتقاد رکھنے والے حضرات چار طرح کے ہیں:

۱۔ وہ گروہ جو دنیا کی نعمتوں پر راضی رہتا ہے۔

۲۔ وہ گروہ جو دنیا کی آزمائشوں اور مصائب و آلام پر راضی رہتا ہے۔

۳۔ وہ گروہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس سے محبت پر راضی رہتا ہے۔

۴۔ وہ گروہ جو معرفتِ حق تعالیٰ پر راضی رہتا ہے۔

پس جو شخص عطا کرنے والے کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے عطا کو دیکھتا ہے وہ اس عطا کو صدقِ دل سے قبول کرتا ہے اور جب صدقِ دل سے قبول کر لیتا ہے تو ہر قسم کی کلفت اور مشقت اس سے دور ہو جاتی ہے۔ اور جو آدمی عطا کو پیشِ نظر رکھ کر عطا کرنے والے کو دیکھتا ہے وہ عطا میں اُلجھ کر رہ جاتا ہے اور رضا کے راستے پر تکلف کے ساتھ چلتا ہے۔ جب کہ تکلف میں تمام رنج اور مشقتیں موجود ہیں اور معرفت، حقیقت کی صورت اُس وقت اختیار کرتی ہے جب بندہ معرفت کے حق میں مکاشف ہو جائے لیکن اگر معرفت ہی اُس کے لیے مشاہدۂ حق میں حجاب اور رکاوٹ بن جائے تو وہ معرفت ناشناسائی، وہ نصیحت عذاب اور وہ عطا درحقیقت پردہ ہو جاتی ہے۔ اور باقی جو آدمی حق تعالیٰ سے صرف دنیا پر راضی ہو جائے وہ ہلاکت اور نقصان میں رہتا ہے اور وہ رضا اس کے لیے آتشِ دوزخ کا سبب بن جاتی ہے کیونکہ تمام کی تمام دنیا بھی اس لائق نہیں کہ اس سے دل لگایا جائے یا ذرہ برابر بھی اس کے غم کا بوجھ دل پر ڈالا جائے۔ اور نعمت تو اسی وقت نعمت ہوتی ہے جب وہ انعام کرنے والے کی طرف رہنمائی کرے لیکن اگر وہ منعم سے حجاب بن جائے تو پھر وہ نعمت نہیں بلکہ مصیبت ہوتی ہے۔ اور جو شخص آزمائش پر حق تعالیٰ سے راضی رہتا ہے وہ، وہ شخص ہے جو بلا میں بھی بلا بھیجنے والے کی طرف دیکھے اور اس بلا کی مشقت کو بلا بھیجنے والے کے مشاہدہ سے برداشت کرے کیونکہ دوست کے مشاہدہ کی صورت میں بلا کی مشقت، مشقت ہی نہیں رہتی۔ اور باقی رہے وہ لوگ جو حق تعالیٰ کی طرف سے برگزیدگی اور اس کی محبت پر راضی رہتے ہیں وہ حق تعالیٰ کے ایسے عاشق ہیں کہ رضا اور ناراضگی میں اُن کا وجود عارضی ہوتا ہے۔ ان کا دل حق تعالیٰ کی محبت کے علاوہ کسی کی منزل نہیں ہوتا اور اس کے اسرار کا خیمہ محبتِ الٰہی کے گلستان کے بغیر کہیں نہیں ہوتا۔ یہ بارگاہِ خداوندی کے وہ حاضر ہیں جو ماسویٰ اللہ سے غائب ہیں، وہ فرشی ہیں جن کا تصور عرش ہے، وہ جسم ہیں جن کی روح نورانی ہے اور وہ موحدِ ربانی ہیں کہ جن کا دل مخلوق سے جدا ہے۔ یہ لوگ تمام کائنات سے اپنے باطن کو روک کر مکافات اور احوال کی جستجو میں گرفتار ہیں اور محبتِ الٰہی میں کمر بستہ ہو کر اس کے لطف و کرم کے لیے سراپا انتظار بنے بیٹھے ہیں۔ انہی کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ لَا یَمْلِکُوْنَ لِاَنْفُسِھِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّ لَا یَمْلِکُوْنَ مَوْتًا وَّ لَا حَیٰوۃً وَّ لَا نُشُوْرًا ترجمہ: ’’وہ اپنے نفسوں کے لیے نہ تو نقصان اور نفع کے مالک ہیں اور نہ ہی موت، زندگی اور دوبارہ اُٹھائے جانے کا ان کے پاس کوئی اختیار ہے۔‘‘ پس حق تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کے لیے رضا نقصان ہے اور کسی چیز کے بغیر حق تعالیٰ سے رضا، رضوانِ الٰہی کا ذریعہ ہے کیونکہ اس کے علاوہ کسی چیز سے راضی ہونا ہلاکت اور صرف حق تعالیٰ پر راضی ہو جانا بڑی سعادت ہے اور اسی میں عافیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا مَنْ لَّمْ یَرْضَ بِاللّٰہِ وَ بِقَضَائِہٖ شَغَلَ قَلْبَہٗ وَ تَعَبَ بَدَنُہٗ ترجمہ: جو آدمی اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فیصلوں پر راضی نہیں ہوتا وہ اپنے دل کو اسباب کی تلاش میں مشغول اور اپنے بدن کو مصیبتوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔‘‘ (کشف المحجوب)

یعنی اللہ کی ذات، اللہ کی معرفت اور اللہ کے قرب کا ذریعہ بننے والی رضا ہی اصل رضا ہے اور جس طرح ظاہری دنیاوی معاملات میں اللہ تعالیٰ بندے سے تسلیم و رضا چاہتا ہے اسی طرح باطنی معاملات میں بھی تسلیم و رضا اختیار کرنا ہی بندے کے حق میں بہتر اور لازم ہے۔ بندہ جب معرفت اور قربِ الٰہی کے سفر پر گامزن ہوتا ہے تو اسے باطن میں بہت سے مقامات سے گزرنا پڑتا ہے کبھی اللہ تعالیٰ کے جلال کی تجلی سے اس کے نفس کو فنا کیا جاتا ہے تو کبھی جمال کی تجلی سے اس کے باطن کو آباد کیا جاتا ہے اور روح کو بقا عطا کی جاتی ہے۔ کبھی اسے آزمائشوں کی بھٹی میں ڈالا جاتا ہے تو کبھی عطاؤں کا تاج اس کے سر پر رکھا جاتا ہے۔ پس جیسا کہ حدیثِ مبارکہ میں ہے ’’مومن کا قلب اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے، وہ جیسے چاہتا ہے اسے موڑتا ہے‘‘ راہِ حق کے سالک کے قلب کی حالت ہر دم بدلتی رہتی ہے۔ ان باطنی حالات میں بھی تسلیم و رضا کے وہی اصول لاگو ہوتے ہیں جو ظاہری حالات کے ضمن میں بیان کر دیئے گئے۔ اگر اسے جلال سے گزارا جائے یا آزمائش میں مبتلا کیا جائے تو اسے چاہیے کہ صبر کرے اور اگر ترقی اور قرب عطا کیا جائے تو شکر کرے اور اسے بخوشی قبول کرے۔ نہ آزمائش میں گلہ کرے نہ عطا کو رد کرے۔ اس کی تسلیم و رضا ہی اس کے نفس کو موت اور روح کو بقا تک لے جائے گی۔ کشف المحجوب میں ہے ’’بندہ کی رضا یہ ہے کہ اس کا دل قضائے الٰہی کی دونوں طرفوں یعنی قضائے منع اور قضائے عطا پر یکساں مطمئن رہے اور اس کا باطن جمالی اور جلالی دونوں طرح کے احوال کا نظارہ کرنے پر مستقیم رہے۔ چنانچہ قضائے الٰہی اگر کسی چیز کے نہ دینے پر ٹھہر جائے یا اس کے عطا کرنے پر سبقت کرے تو رضائے بندہ کے نزدیک دونوں حالتیں برابر

ہوں، اور اگر ہیبت و جلال خداوندی کی آگ سے جل جائے یا اس کے جمال اور نور لطف سے روشن ہو جائے تو یہ جلنا اور روشن ہونا اس کے دل کے نزدیک برابر ہو کیونکہ وہ حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرنے والا ہے۔ لہٰذا اُس کی ذات سے جو کچھ بھی مشاہدہ میں آئے بندہ کے لیے بہتر ہی ہے۔ (کشف المحجوب)

اقبالؒ فرماتے ہیں:

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زمان از غیب جان دیگر است

ترجمہ: جو لوگ محبوب کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں انہیں ہر لمحہ غیب سے ایک نئی زندگی عطا ہوتی ہے۔

نفس جو اللہ اور بندے کے درمیان سب سے بڑا حجاب ہے، کی موت صرف تسلیم و رضا کے ذریعے ممکن ہے کیونکہ نفس ہمیشہ اپنی من مانی کرنا چاہتا ہے لیکن جب اسے اس کی من مانیوں اور مرضیوں سے روک کر اللہ کی رضا کے سامنے سر جھکانے پر مجبور کر دیا جاتا ہے تو یہی اللہ کا مطیع و فرمانبردار بن جاتا ہے اور اللہ اور بندے کے درمیان حجاب بننے کی بجائے اسے اللہ تک پہنچانے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جو نفس اللہ کے فیصلوں پر راضی اور مطمئن ہو وہی نفسِ مطمئنہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کی خوشخبری سنائی ہے ترجمہ: اے نفسِ مطمئنہ لوٹ اپنے رب کی طرف، اس حالت میں کہ وہ تجھ سے راضی ہو گیا اور تو اس سے راضی ہو گیا'' (الفجر 27 تا 30)۔ ایسا نفسِ مطمئنہ رکھنے والے مومن ہی دیدارِ الٰہی کی منزل تک پہنچتے ہیں۔ حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

باھُوؒ بردار تسلیم و رضا
دل سلیمے گشت حاضر مصطفیؐ

ترجمہ: اے باھُو تسلیم و رضا اختیار کر کہ صاحب تسلیم و رضا قلب ہی حضوریٔ مصطفیؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ (کلید التوحید کلاں)

چوں و چرا اور گلہ و اعتراض کرنے والے دل کو نہ آقا پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں قبول کیا جاتا ہے نہ اللہ تعالیٰ کی۔

سلطان الفقر ششم حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

✿ فقر کا مرکز و محور تسلیم و رضائے الٰہی ہے۔ مصیبت و پریشانی، دکھ اور سکھ، سکون و اضطراب، آسانی و تنگی، بیماری اور صحت، بھوک اور سیری، عزت اور ذلت، امیری اور غریبی، غرض ہر حال میں اللہ پاک کی رضا میں راضی رہنا اور سر تسلیم خم کرنا ہے اور جو اس کی خوشی کی خاطر اپنی مرضی اور منشاء سے دست بردار ہو جاتا ہے اور اس ضمن میں جو تکالیف اور مصائب اس پر وارد ہوتے ہیں، انہیں خوش دلی سے قبول کرتا ہے وہی دیدارِ الٰہی کا حق دار بنتا ہے۔'' (شمس الفقرا)

میرے مرشد پاک حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس فرماتے ہیں ''مقامِ رضا فقر کی منازل میں سے بہت بڑی منزل ہے اور مقامِ رضا کے بعد ہی باطن کے دو اہم اور آخری مقامات مشاہدۂ حق تعالیٰ اور مجلسِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ ان دو مقامات سے پہلے تسلیم و رضا کا مقام آخری مقامات میں سے ہے، نفسِ مطمئنہ کا مقام یہی ہے۔ (شمس الفقرا)

قرآن پاک میں بھی ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ دیدارِ حق تعالیٰ ان لوگوں کے نصیب میں ہوتا ہے جو اللہ کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔

✿ ترجمہ: اور اس شخص سے بہتر کون ہو سکتا ہے جس نے اپنا سر اللہ کی رضا کے سامنے جھکا دیا۔ وہ محسن (اللہ کا دیدار کرنے والا) ہے۔ (النساء۔125)

✿ ترجمہ: ہاں جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا وہ محسن (اللہ کا دیدار کرنے والا) ہے اور اس کے لیے اپنے رب کی طرف سے اجر ہے اور اس کے لیے نہ کچھ خوف ہے نہ غم۔ (البقرہ۔112)

بے شک جس نے اللہ کی طرف سے آنے والی ہر حالت اور تقدیر کو بخوشی قبول کر لیا اسے کس بات کا خوف اور غم؟

حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''خلقِ عظیم، قلبِ سلیم کا مرتبہ تسلیم و رضا ہے اور یہی وہ صراطِ مستقیم ہے جس پر انعام یافتہ لوگ گامزن رہے ہیں۔'' (نور الہدیٰ کلاں)

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو انعام یافتہ لوگوں یعنی اولیاء و انبیاء کی پیروی میں حقیقی تسلیم و رضا اختیار کر کے مومن اور محسن کے مرتبہ پر پہنچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆☆☆

فرمانِ باھُوؒ

زہد و تقویٰ، صوم و صلوٰۃ اور ریاضتِ حج و زکوٰۃ خلافِ نفس ہے، کیا اس سے نفس مرجاتا ہے؟ میں کہتا ہوں نہیں مرتا۔ ذکر فکر، مجاہدہ، مشاہدہ، مراقبہ، محاسبہ اور وصالِ حضور مذکور خلافِ نفس ہے، کیا اس سے نفس مرجاتا ہے؟ میں کہتا ہوں نہیں مرتا۔ ورد وظائف، ذکر و تسبیح، تلاوتِ قرآن اور علم مسائل فقہ خلافِ نفس ہے، کیا اس سے نفس مرجاتا ہے؟ میں کہتا ہوں نہیں مرتا۔ موٹا کھردرا لباس پہننا، گدڑی پہننا، مخلوق سے علیحدگی اختیار کرنا، چپ رہنا، نیک وصال و خوب خصال ہونا خلافِ نفس ہے، کیا اس سے نفس مرجاتا ہے؟ میں کہتا ہوں نہیں مرتا۔ گوشہ تنہائی میں چلہ کشی کرنا اور ہر چیز سے بے تعلق ہو کر سرگردان پھرنا خلافِ نفس ہے، کیا اس سے نفس مرجاتا ہے؟ میں کہتا ہوں نہیں مرتا۔ علم و تعلیم، درس و تدریس اور خدا شناسی خلافِ نفس ہے، کیا اس سے نفس مرجاتا ہے؟ میں کہتا ہوں نہیں مرتا۔

نفس اُس وقت تک نافرمانی و گناہ سے باز نہیں آتا جب تک کہ اُسے توفیق الٰہی اور وسیلت دستِ بیعتِ مرشد کامل مکمل حاصل نہ ہو جائے کیونکہ جب بھی طالب گناہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے مرشد کامل مکمل کو بے شک اُس کی خبر ہو جاتی ہے اور وہ گناہ و طالب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور الہام و پیغام کے ذریعے دست اندازی کر کے اُسے گناہ سے بچا لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وسیلت بہتر ہے فضیلت سے۔ (عین الفقر)

حقیقتِ دنیا

احادیث مبارکہ کی روشنی میں

فائزہ سعید سروری قادری (زیورچ سوئٹزرلینڈ)

حقیقتِ دین یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو روزمرہ کی زندگی میں اس طرح شامل اور نافذ کیا جائے کہ پوری زندگی احکامِ خداوندی کی تابع بن جائے اور ہمارے ہر عمل سے یہ بات واضح ہو کہ ہم اللہ پاک کی شان، عظمت اور اس کے جمال و کمال پر مکمل طور پر فدا ہیں۔ ہماری ساری محبتیں، کوششیں اور تمام وفاداریاں صرف اور صرف اللہ کے لیے مخصوص ہوگئی ہیں اور یہ کہ ہم اللہ کے سامنے اپنے آپ کو انتہا درجہ تک پست کر دیں تاکہ اللہ پاک کی خود پر برتری اور عظمت کی قبولیت کو ظاہر کر سکیں۔ اور خواہش یہ ہو کہ اللہ کی محبت میں ایسی سرشاری حاصل ہو کہ فانی اجسام کی محبتوں سے بے نیاز ہو جائیں۔ جو شخص حقیقی معنوں میں اللہ کو پہچان لیتا ہے یعنی اس کی معرفت حاصل کر لیتا ہے اس کی نگاہ میں اللہ تعالیٰ کے مقابل کہیں کسی شے میں کوئی دلکشی و جاذبیت نہیں رہتی کہ جس کے لیے اس کا دل بے تاب و مضطرب ہو سکے۔ یہی اصل دین ہے۔

لیکن اس کے برعکس اگر کوئی شخص اللہ کو چھوڑ کر دنیاوی مال و متاع اور دنیاوی عزت و مرتبہ اور شہرت کے پیچھے بھاگ رہا ہے تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ دین کی لذتوں سے بالکل ناآشنا، عالم ناسوت میں جکڑا ہوا ہے اور یہ سب لالچ عنقریب اسے تباہ و برباد کر دیں گے۔

دنیا کی حقیقت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بے شمار احادیث کے ذریعے واضح فرمایا ہے ان میں سے چند ایک کا تذکرہ کرتے ہیں۔

حدیث نمبر 1

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ''دو بھوکے بھیڑیے اگر بکریوں میں چھوڑ دیئے جائیں تو وہ ان بکریوں کو اس سے بڑھ کر تباہ نہیں کرتے جتنا مال اور عزت و جاہ (شہرت اور مشہور ہونے کی خواہش) کے لیے انسان کی حرص اس کے دین کو تباہ اور برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔'' (ترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حرص کو بھیڑیے سے تشبیہ دی ہے۔ اگر بھیڑیے بکریوں کے ریوڑ میں گھس جائیں تو آن کی آن میں ان تمام بکریوں کو چیر پھاڑ کر نیست و نابود کر دیں گے۔ اسی طرح انسان کی طمع و حرص، مال سے محبت اور جاہ و حشمت کی طلب اس کے دین کو تباہ و برباد کر دیتی ہے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہمیشہ کے لیے دور کر دیتی ہے۔

انسان کے دل کی خواہشات تو زندگی کے ہر میدان میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اگر وہ ان دنیاوی خواہشات کو ہی اپنا قبلہ و مقصود بنائے گا اور اللہ کی بجائے ان خواہشات کو پورا کرنے پر ہی غور و فکر کرے گا تو اللہ کی رحمتِ خاص سے ہاتھ دھو بیٹھے گا جس کا نتیجہ بربادی کے سوا کچھ نہیں۔

حدیث نمبر 2

ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خطبہ کے دوران فرمایا ''حرص و طمع سے بچو کیونکہ تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں وہ حرص و طمع ہی کے سبب تباہ ہوئے، اسی نے انہیں بخل پر ابھارا تو انہوں نے بخل اختیار کیا، اسی نے انہیں قطع رحمی کے لیے آمادہ کیا تو وہ قطع رحمی کے مرتکب ہوئے۔ اسی نے انہیں فسق و فجور پر اکسایا تو وہ فسق و فجور میں مبتلا ہوئے۔'' (ابوداؤد)

اس حدیث سے بھی یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ دنیا اور دنیا کے مال کا طمع اور حرص انسان کی ہلاکت کا باعث بنتے ہیں اور پچھلی قوموں نے اسی دنیاوی لالچ کی وجہ سے رشتہ داروں کے حقوق پامال کیے اور دین کو یکسر فراموش کیا اور بالآخر وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق قرار پائے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بکری کے ایک ایسے مردہ بچے کے پاس سے گزرے جس کے کان بہت چھوٹے تھے یا

کٹے ہوئے تھے یا اس کے کان تھے ہی نہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے (اس کو دیکھ کر) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو اس (مردہ بچے) کو ایک درہم کے عوض لینا پسند کرے گا؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ ہم تو اس کو کسی چیز کے عوض لینا پسند نہیں کریں گے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''اللہ کی قسم! یہ دنیا (اپنی لذتوں اور آسائشوں کے ساتھ) اللہ کے نزدیک اس سے کہیں زیادہ بے وقعت اور کمتر ہے جتنا کہ تمہاری نظر میں یہ مردار بکری کا بچہ ذلیل اور حقیر ہے۔'' (مسلم)

اس حدیث مبارکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بکری کے مردہ بچے کے ذریعے دنیا کی حقیقت کو بیان فرمایا ہے کہ جس طرح بکری کا مردہ بچہ انتہا درجے کا حقیر و ذلیل ہے اسی طرح اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نزدیک یہ دنیا مردار اور ذلیل و حقیر ہے۔ اس لیے اپنی طلب و فکر کا مرکز اس دنیا کو نہیں بلکہ اللہ کو بنانا چاہیے۔ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

۞ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝

ترجمہ: یہ دنیاوی زندگی (اور یہاں کا ساز و سامان) تو بس چند دن کے استعمال کے لیے ہے اور آخرت ہی ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے۔

یہ دنیاوی زندگی اُخروی زندگی کے مقابلے میں چند گھڑیوں کی ہے جبکہ آخرت کو زوال نہیں۔ نہ ہی وہاں سے انتقال و کوچ ہوگا۔ کوئی جنت میں جائے یا جہنم میں، دونوں کی زندگی ابدی ہوگی۔ لہٰذا مقصودِ زندگی اللہ کی طلب اور محبت ہونی چاہیے تاکہ آخرت کو بہتر بنایا جاسکے نہ کہ دنیا کی محبت و طلب۔ کیونکہ دنیا کی محبت و چاہت ہر گناہ کی جڑ ہے جبکہ دنیا سے بے اعتنائی ہر عبادت کی بنیاد ہے۔

بکری کے مردہ بچے سے دنیا کو تشبیہ دے کر دنیا کے مردار اور ذلیل ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کیا یہ سوچا جاسکتا ہے کہ جو شخص مردار اور حرام اشیاء کی محبت میں گرفتار ہے وہ اپنی ظاہری عبادات کے ذریعے اللہ پاک کو پا سکتا ہے؟ نہیں بالکل نہیں۔

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''دنیاوی لذات سے کبھی کوئی سیر نہیں ہوتا۔ جو شخص دنیا کی محبت دل سے نہیں نکالتا اسے قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے نہ مجلسِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حضوری اور نہ اس کے قلب، قالب اور ہر ایک بال سے ذکر جاری ہوتا ہے۔ معرفتِ الٰہی اور فقر جو اصل فتح ہے، دنیا ترک کیے بغیر حاصل نہیں ہوتے اور نہ ہی اسے واحدانیت حاصل ہوتی ہے خواہ ساری عمر پتھر پر سر پٹختا رہے، تقویٰ اور مجاہدہ سے اس کی پیٹھ کبڑی ہوجائے اور وجود کمان کی طرح ہوجائے۔ دنیا کے ہوتے ہوئے اللہ سے حجاب اور جدائی ہوتی ہے۔ دنیا کا دوست اللہ کا دشمن ہے۔

ہر کہ در مردار غرق است کہ شود دیدار جو
غیر اللہ ہرچہ باشد دفترش از دل بشو

ترجمہ: جو شخص دنیا مردار میں غرق ہے وہ دیدارِ الٰہی کیسے حاصل کرسکتا ہے۔ غیرِ حق کا خیال دل کے دفتر سے دھو ڈال۔ (کلید التوحید کلاں)

حدیث نمبر 3

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''بے شک دنیا شیریں و شاداب (سرسبز) ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں جانشین بنانے والا ہے، پس وہ دیکھے گا کہ تم کیسے کام کرتے ہو؟ پس (اگر تم کامیاب ہونا چاہتے ہو تو) دنیا (کے دھوکے) سے بچو اور عورتوں (کے فتنے میں مبتلا ہونے) سے بچو کیونکہ بنی اسرائیل کی پہلی آزمائش عورتوں ہی کے بارے میں تھی۔'' (مسلم)

اس حدیثِ مبارکہ میں بنیادی طور پر تین چیزوں کا ذکر ہوا ہے۔ سب سے پہلے انسان کی آزمائش کا، کہ اس دنیا میں آنے کے بعد وہ کس طرح کے اعمال و عادات کو اپناتا ہے۔

قرآن میں اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

ترجمہ: (اللہ وہ ہے) جس نے بنایا مرنا اور جینا تاکہ تم کو جانچے کہ کون تم میں اچھا کام کرتا ہے۔

ازل میں جب اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے جواب میں ارواح نے اللہ کو ہی اپنا معبودِ حقیقی مانا تو اللہ نے ان کے دعوے کی آزمائش کی خاطر دنیا کو بے انتہا رنگین و سرسبز و شاداب بنایا اور پھر تمام ارواح کو آزمائش کی خاطر اس دنیا میں بھیج دیا۔ مقصد صرف یہ جاننا تھا کہ اس دنیا کی رنگینی میں گم ہوکر وہ اپنے رب کو بھلا دیتی ہیں یا اپنے رب کی محبت میں گم ہوکر اس دنیا سے منہ موڑے رکھتی ہیں۔ لیکن پھر بھی دس میں سے نو حصہ ارواح اپنے رب سے کیے وعدے کو بھلا کر دنیا کی رنگینی میں گم ہوگئیں حالانکہ جانتی ہیں کہ یہ دنیا دائمی نہیں اور عنقریب فنا و برباد ہوجانی ہے جیسا کہ قرآنِ پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۞ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ (النساء۔77)

ترجمہ: کہہ دیجیے کہ (بے شک) متاعِ دنیا قلیل ہے۔

دراصل دنیا کی محبت ہی تمام گناہوں کی جڑ ہے لہٰذا انسان کو دنیا کے دھوکے میں آکر اپنی تخلیق کے مقصد کو نہ بھول جانا چاہیے، جس کا ذکر قرآن میں اس طرح آیا ہے:

ترجمہ: اور میں نے بنائے جن و انسان صرف اپنی بندگی کے لیے۔ (الذاریات۔56)

اس حدیث پاک میں دوسرا ذکر ہے دنیا کے دھوکے کا۔ یہ دنیا اور اس کی چمک دمک، مال و اسباب بلاشبہ دیکھنے میں خوش رنگ اور دلوں کو لبھانے والے ہیں لیکن اس دنیا کی حقیقت بے انتہا مکروہ ہے۔ دنیا کی حقیقت ایک ایسی بدشکل و مکروہ عورت کی سی ہے جو انتہائی خوبصورت لباس زیب تن کیے ہوئے ہے لیکن اپنے مکروہ چہرے کو نقاب کے پیچھے چھپائے ہوئے ہے۔ اس کی ظاہری خوبصورتی کی وجہ سے ہر کوئی اس کے پیچھے بھاگتا ہے اور اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن یہ کسی کی بھی نہیں بنتی۔ اپنا تعاقب کرنے والے کے آگے آگے بھاگتی ہے یہاں تک کہ اسے بربادی کے اندھے کنوئیں میں دھکیل دیتی ہے۔

آخر میں ذکر ہے عورت کے فتنے کا۔ عورت کو اگر شریعت کے دائرے سے نکل کر حاصل کرنے کی کوشش کی جائے تو ظاہر ہے کہ وہ حرام ہے لیکن شریعت کے مطابق (نکاح کر کے) حاصل کی گئی عورت کی محبت اگر اللہ کی محبت پر حاوی

آجائے تو یہ بھی بربادی کی علامت بن جاتی ہے۔

سورۃ آلِ عمران میں اللہ پاک فرماتا ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ○

ترجمہ: لوگوں (کی آزمائش) کے لیے (دنیا کو) عورتوں کی کشش، اولاد، جمع شدہ مال کے خزانوں، سونے اور چاندی، شاندار گھوڑوں، چوپایوں اور کھیتی سے زینت دی گئی ہے۔ یہ دنیا کا مال ہے اور اللہ کے پاس ہی اصل ٹھکانہ ہے۔ (آل عمران۔14)

اس آیت میں بھی عورت اور اولاد دونوں کو دنیاوی آزمائش کہا گیا ہے۔ جہاں ان کی محبت میں انسان گرفتار ہوا بس سمجھو اپنے رب کی محبتوں اور عنایتوں سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ عورت کے بارے میں فرماتے ہیں:

زن ساجدہ یا ذاکرہ صاحب سجود
از زنان پرہیز باشی نیست سود

ترجمہ: عورت خواہ ساجدہ ہو یا ذاکرہ و عابدہ ہو اس سے پرہیز کر کہ اس سے کچھ بھی نفع نہیں۔

کیونکہ وہ مرد کی توجہ اللہ سے ہٹا کر اپنی طرف مبذول کر لیتی ہے لہٰذا فتنہ ہے۔

حدیث نمبر 4

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: کسی چیز (غیر اللہ) سے تیری محبت تجھے اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔ (ابوداؤد)

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس حدیث کے ذریعے انسان کو اس کی سب سے بڑی کمزوری سے آگاہ فرمایا ہے کہ جب انسان کسی بھی چیز کی محبت میں گرفتار ہوتا ہے تو اس کو اس کے عیب بھی خوبیاں نظر آنے لگتے ہیں اور وہ حق و غیر حق میں فرق کرنے سے بھی قاصر ہو جاتا ہے۔

یہاں اندھا ہونے سے مراد ظاہری آنکھ کا ناکارہ ہونا نہیں بلکہ باطنی اندھا پن یا نورِ بصیرت سے محرومی مراد ہے۔ وہ شخص جس کے اوپر دنیا کی محبت سوار ہو وہ اللہ کا دیدار کیسے حاصل کر سکتا ہے اور جو اس دنیا کی محبت میں اندھا ہو گیا اور اپنے رب کا دیدار نہ کر سکا اللہ پاک قیامت کے روز بھی اس کو اپنے دیدار سے محروم کر دے گا۔ اس بات کو قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بیان فرمادیا ہے:

❁ وَمَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ
(بنی اسرائیل۔۷۲)

ترجمہ: اور جو دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا۔

ذاتِ باری تعالیٰ کی رضا، دیدار اور قرب حاصل کرنے کے لیے اس مردار دنیا سے جان چھڑانا بہت ضروری ہے کیونکہ فرمانِ حق تعالیٰ ہے ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے سینے میں دو دل نہیں بنائے'' (سورۃ الانفال) یعنی جس دل میں اللہ کی محبت ہے وہاں دنیا کی محبت کی کوئی گنجائش نہیں اور جہاں دنیا کی محبت ہے وہاں اللہ کی محبت نہیں اور چونکہ دنیا کی محبت حجاب ہے سو دیدارِ الٰہی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''دنیا آزمائش اور پرکھ کے لیے ہے اور دنیا بندے اور خدا کے درمیان ایک حجاب ہے''۔ (عقلِ بیدار)

حدیث نمبر 5

حضرت کعب بن عیاض رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے سنا ''ہر اُمت کے لیے ایک فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے''۔

انسان کی سب سے بڑی بدبختی اور مختلف قسم کی بدکاریوں کی جڑ یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کو یکسر فراموش کر دے اور اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق زندگی گزارے۔ نفسانی خواہشات میں سے ایک خواہش مال کا جمع کرنا ہے۔ مال و دولت کی حرص میں اندھا ہو کر انسان اپنے ضمیر، ایمان اور اخلاق کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ مال کی مثال دوا جیسی ہے، ضرورت کے مطابق ہو تو درست اور اگر زیادہ ہو تو صحت کی بجائے بیماری کو بڑھا دیتی ہے بلکہ کئی اور مختلف بیماریوں کو پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے۔

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ امیر الکونین میں فرماتے ہیں ''جو شخص دنیاوی مال جمع کر کے شیطان کے کہنے کے مطابق خرچ کرتا ہے وہ بخل کا مرتبہ حاصل کرتا ہے۔''

چونکہ دنیا محض ریا و ہوا ہے اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ دنیا جمع کی اور نہ جمع کرنے کا کوئی اشارہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دنیا جمع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ پس جو آدمی دنیا سے پیار کرتا ہے اور اسے جمع کرتا ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت اور قرآن کے حکم کے خلاف کرتا ہے۔ دنیا کی بنیاد فتنہ و فساد ہے اور فتنہ سراسر گناہ ہے جس میں قباحت رسوائی پائی جاتی ہے اور قباحت سیاہ دلی کو کہتے ہیں۔

قرآن میں واضح کہا گیا ہے ترجمہ ''اور جو لوگ سونا چاندی (مال و دولت وغیرہ) بطور ذخیرہ جمع کرتے اور جوڑتے رہتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو (اے پیغمبر! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ان (پرستارانِ دولت کو آخرت کے) دردناک عذاب کی خبر سنا دیں (یہ عذاب انہیں اس دن ہوگا) جس دن ان کی جمع کردہ دولت کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا۔ پھر اس سے اُن کے ماتھے، ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور ان سے) کہا جائے گا یہ ہے (تمہاری دولت) جس کو تم نے اپنے لیے جوڑا تھا اور ذخیرہ کیا تھا۔ پس مزہ چکھو تم اپنی دولت کے جوڑنے کا''۔ (توبہ 35-34)

اسی طرح کی بے شمار احادیث ہیں جن کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دنیا کی کس قدر مذمت فرمائی ہے۔ مثلاً

❁ دنیا اور دنیا کے اندر جو کچھ ہے سب ملعون ہے۔ (ابن ماجہ)

❁ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت۔

❁ دنیا زائل ہو جانے والا سایہ ہے۔

❁ حیاتِ دنیا ایک دن کی ہے اور اس میں ہمیں روزے

سے رہنا چاہیے۔

❁ دنیا کی لذت خنزیر کا گوشت ہے۔

❁ دنیا مردار ہے اور اس کے چاہنے والے کتے ہیں۔

اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس قدر سختی سے دنیا کی مذمت فرما دی ہے کہ اس کے بعد کوئی عقل والا انسان دنیا اور اس کی لذت میں گم ہونے کی کوشش نہیں کرے گا۔

سوچنے کی صلاحیت انسان میں فطری طور پر پائی جاتی ہے۔ اس سب کے مطالعہ کے بعد ایک سوچ فوراً ابھرتی ہے کہ اگر یہ دنیا اس قدر مکروہ اور غلیظ ہے تو پھر اللہ پاک نے اس دنیا کو پیدا ہی کیوں کیا۔ جب اللہ پاک کا کوئی بھی عمل حکمت سے خالی نہیں تو اس مردار دنیا کو تخلیق کرنے کا مقصد کیا تھا، پھر اس کو اپنی لاتعداد اور انواع واقسام کی نعمتوں سے بھر دیا ہے اور پھر ان سے لاتعلق رہنے کا حکم بھی دے دیا ہے تو پھر یہ نعمتیں پیدا ہی کیوں کیں؟

جب اللہ نے انسان کو تخلیق کیا تو اس کے قلب میں نورِ الٰہی ودیعت کر دیا۔ یہ وہی امانت ہے جس کو اٹھانے سے انسان کے سوا ہر مخلوق نے انکار کر دیا تھا۔ اب انسان کو اس دنیا میں صرف یہ دیکھنے کے لیے بھیج دیا گیا کہ کون اس امانت کی بہتر حفاظت کرتا ہے اور روزِ قیامت کون اس کو صحیح اور سالم حالت میں اللہ کے حضور پیش کرتا ہے۔ اگر یہ دنیا ہی نہ بنائی جاتی تو یہ پرکھ ممکن نہ تھی۔ اب اس پرکھ کے لیے انسان کو دنیا میں بھیجا تو اس نے واپسی کا سفر تو کرنا ہے اور اس کے لیے زادِ راہ کی بھی ضرورت ہے۔ اس زندگی کے سفر کو سمجھنے کے لیے دنیا کی مثال ہم ایک تند و تیز دریا سے دے سکتے ہیں جو سب کچھ بہا کر لے جاتا ہے اور انسان کی مثال کشتی کی سی ہے۔ اب جب تک اس کشتی کو دریا میں ڈالیں گے ہی نہیں تو کیسے پار جائے گی۔ اگر اس کشتی کو دریا کے حوالے کر دیا جائے گا تو دریا کی تند و تیز لہریں (دنیاوی حرص) اس کو کبھی اس طرف دھکیلتی ہیں تو کبھی اُس طرف، ڈر ہے کہیں ڈوب ہی نہ جائے لیکن اگر چپو اپنے ہاتھ میں لے لیے جائیں تو دریا کی تند و تیز لہروں کو چیرتے ہوئے اپنی منزل تک پہنچ ہی جائیں گے۔ کشتی دو چپوؤں کی مدد سے چلتی ہے ایک چپو نیک اعمال کا اور ایک چپو توکل الٰہی کا۔ جس نے ان دو چپوؤں کی مدد سے دریا کی تندی پر قابو پا لیا سمجھو کامیاب ہوا اور جو بہہ گیا اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہے۔

آیئے تعلیماتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روشنی میں جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ انسان کو یہ دنیاوی زندگی حقیقتاً کیسے گزارنی چاہیے اور ترکِ دنیا سے کیا مراد ہے۔

حدیث نمبر 1

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''دنیا سے زہد (یعنی دنیا سے لاتعلقی) یہ نہیں کہ حلال کو اپنے اوپر حرام کر لیا جائے اور مال کو ضائع کیا جائے، بلکہ دنیا سے زہد یہ ہے کہ جو کچھ تمہارے ہاتھ میں ہو اس سے کہیں زیادہ اعتماد اور بھروسہ تمہیں اس پر ہو جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور یہ کہ تمہیں جو ناگواری اور تکلیف پیش آئے تو مصیبت کا ثواب تمہیں اتنا مرغوب (پسندیدہ) ہو کہ تم اس کی خواہش کرو کہ کاش یہ مصیبت باقی رہے۔'' (ترمذی۔ ابن ماجہ)

اس حدیث سے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ انسان اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اپنے اوپر حرام نہ کرے اور اس کا بھروسہ اور توکل اللہ پر قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ وہ بے نیاز اور عظیم ہستی ہے کہ سب اسی کے محتاج ہیں۔ ہدایت سے لے کر رزق تک ہر چیز کے خزانے اسی کے پاس ہیں اور خزانے بھی ایسے کہ جتنا مرضی مخلوق کو عطا کرے ان میں کبھی کمی نہ ہو۔ بندہ یہ سوچ کر مال جمع کیے رکھتا ہے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے ڈرتا ہے کہ پتا نہیں کل کو ملے یا نہیں، یہ غلط ہے۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ جو تمام خزانوں کا مالک ہے اس پر بھروسہ کیا جائے اور جو بھی مصیبت آئے تو اس کو اللہ کی طرف سے جان کر صبر کرے تو اس کے بدلے جو اجر و ثواب حاصل ہو گا اس کی مثال ملنا ممکن نہیں۔

حدیث نمبر 2

حضرت انس رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ (صحابہ کرامؓ میں سے) تین آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عبادت کے بارے میں دریافت کرنے لگے (یعنی انہوں نے دریافت کیا کہ نماز، روزہ وغیرہ عبادات کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا معمول کیا ہے)۔ جب ان کو بتلایا گیا تو (محسوس ہوا) کہ گویا انہوں نے اس کو بہت کم سمجھا اور آپس میں کہا کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کیا نسبت وہ تو گناہوں سے معصوم ہیں۔ لہٰذا ان کو عبادت کی کیا ضرورت لیکن ہم گناہ گاروں کو ضرورت ہے کہ جہاں تک بن پڑے زیادہ سے زیادہ عبادت کریں۔ چنانچہ ایک نے کہا کہ اب تو میں پوری رات زیادہ سے زیادہ نماز پڑھوں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ دن کو روزہ رکھوں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں عہد کرتا ہوں کہ ہمیشہ عورتوں سے لاتعلق رہوں گا اور کبھی نکاح، شادی نہ کروں گا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان صحابہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم ہی لوگوں نے یہ بات کہی ہے (اور اپنے بارے میں فیصلے کیے ہیں) تو سن لو! اللہ کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں لیکن (اس کے باوجود) میرا حال یہ ہے کہ میں روزے بھی رکھتا ہوں اور بنا روزے کے بھی رہتا ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، (اور میں نے تجرد کی زندگی اختیار نہیں کی) میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں اور ان کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتا ہوں (یہ میرا طریقہ ہے) اب جو کوئی میرے اس طریقہ سے ہٹ کر چلے وہ میرا امتی نہیں۔ (بخاری و مسلم)

جو کوئی ترکِ دنیا اور دین اسلام کو رہبانیت کہتا ہے اس کے لیے یہ حدیث کافی ہے اور قرآن و حدیث میں جابجا فرما دیا گیا ہے کہ کامیاب زندگی گزارنے کے لیے اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لازمی ہے اور ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس دنیا میں رہتے ہوئے اللہ کی کسی بھی نعمت سے منہ نہیں موڑا۔ بس انہوں نے اسے دل میں کوئی جگہ نہ دی اور جو اعمال بھی کیے خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے کیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی کے کسی بھی باب کو اٹھا کر دیکھ لیں مکمل رہنمائی ملے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے اللہ کی عبادت بھی کی، شادی بھی کی، اولاد کی پرورش بھی کی، اللہ کی راہ میں جہاد بھی کیا، لوگوں کے ساتھ محبت اور بھلائی بھی کی۔ کاروبار تجارت بھی کیا غرض دنیا کا کوئی کام ایسا نہ ہوگا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ کیا ہو اور امتی ہونے کے ناطے ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی ضرور کرنی چاہیے۔ اب اگر ہم اپنی ظاہری زندگی پر غور کریں تو ہم بھی یہ تمام اعمال انجام دیتے ہیں لیکن اپنی خوشی، اپنے سکون اور اپنے نفس کو راضی کرنے کے لیے نہ کہ اللہ کے لیے، لہٰذا دنیا کی نعمتوں کو ترک کیے بغیر انہی کو اللہ کی رضا کے لیے استعمال کرنے کے لیے ضرورت صرف اور صرف نیت بدلنے کی ہے جیسا کہ حدیثِ پاک سے ظاہر ہوتا ہے:۔

❁ حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمام کاموں کا دارومدار نیتوں پر ہے (یعنی آدمی کو اس کی نیت ہی کے مطابق پھل ملتا ہے) تو جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہجرت کی (اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا جوئی اور اطاعت کے سوا اس کی ہجرت کا اور کوئی مقصد نہ تھا) تو اس کی ہجرت اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے ہی ہوئی اور جس نے کسی دنیاوی غرض کے لیے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی خاطر ہجرت کی تو اس کی ہجرت (اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نہ ہوگی بلکہ) اسی چیز کے لیے ہوگی جس کا اس نے ارادہ کیا۔ (بخاری و مسلم)

اب اس کا یہ مطلب نہیں کہ نکاح برا عمل ہے مگر یہ عمل اللہ کی رضا حاصل کرنے کی بجائے صرف عورت کی محبت میں سرزد ہوا تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اور اسی طرح دیگر اعمال کے لیے سمجھ لیا جائے کہ جس عمل کے پیچھے اللہ کی رضا جوئی اور قرب کے حصول کی نیت ہوگی وہ اللہ کے لیے ہوگا اور جو عمل دنیا والوں کو راضی کرنے یا دنیا کمانے کی نیت سے کیا جائے گا وہ دنیا کے لیے ہوگا۔ دنیا سے ملنے والا فائدہ فانی اور حقیر ہے جبکہ اللہ کا قرب بہترین نعمت اور ہمیشہ کے لیے باقی ہے۔

حدیث نمبر 3

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ بندے جو میری عظمت وجلال کی وجہ سے آپس میں الفت ومحبت رکھتے تھے؟ آج جبکہ میرے سایہ کے سوا کسی کا سایہ نہیں ہے میں اپنے ان بندوں کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا۔ (مسلم)

محبت کا جذبہ ایک فطری جذبہ ہے۔ اللہ پاک خود بے تحاشا محبت کرنے والا ہے اور محبت کرنے کو پسند کرتا ہے۔ میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں:

الحمد خدا دا ورد کیجیے
عشق کیتا سو جگ دا مول میاں
پہلا آپ ہی رب نے عشق کیتا
معشوق ہے نبی رسولؐ میاں

اور اسی عشق کے جذبے میں سرشار اس دنیا کی بنیاد ڈالی تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ خود تو عشق کرے اور ہمیں عشق سے منع کرے لیکن فرق یہ ہے کہ یہ عشق خالصتاً اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہو نہ کہ کسی نفسانی شہوت کی وجہ سے۔ اسی بات کی وضاحت اس حدیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے:۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اللہ کے بندوں میں کچھ ایسے خوش نصیب بھی ہیں جو نبی یا شہید تو نہیں لیکن قیامت کے دن بہت سے انبیاء اور شہداء ان کے خاص مقامِ قرب کی وجہ سے ان پر رشک کریں گے۔'' صحابہ کرامؓ نے عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں بتا دیجیے کہ وہ کون بندے ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بغیر کسی رشتے اور قرابت کے اور بغیر کسی مالی لین دین کے، روحِ خداوندی کی وجہ سے باہم محبت کی۔ پس قسم ہے اللہ کی، ان کے چہرے قیامت کے دن نورانی ہوں گے اور وہ نور کے منبروں پر ہوں گے اور عام لوگوں کو جس وقت خوف وہراس ہوگا، اس وقت وہ بے خوف ومطمئن اور بے غم ہوں گے'' اور اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔ ترجمہ: ''بے شک اولیاء اللہ کو نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

تو جس نے کسی خونی رشتے اور کاروباری لین دین یا کسی احسان کے بغیر صرف اللہ کی خاطر اللہ کی مخلوق سے محبت کی ہوگی قیامت کے دن ان کو خاص مقام ومرتبہ حاصل ہوگا۔ حدیث کے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۃ یونس کی آیت نمبر 62 تلاوت فرمائی جس میں اللہ کی خاطر محبت کرنے والوں کو اللہ کے ولی کہا گیا ہے جنہیں قیامت کے دن کسی قسم کا کوئی غم نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے شاداں وفرحاں ہونگے۔

حدیث نمبر 4

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جو شخص اس حال میں دنیا سے رخصت ہوا کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کے لیے مخلص تھا اور (اپنی زندگی میں) نماز پر قائم رہا اور زکوٰۃ دیتا رہا تو یہ شخص دنیا سے اس حال میں جدا ہوا کہ اللہ اس سے راضی تھا۔ (ابن ماجہ)

مومن کی سب سے بڑی خواہش یہی ہے کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے ایسے پاکیزہ اعمال کرے کہ اللہ اس سے راضی ہو جائے۔ اللہ کی رضا کی خاطر ہی وہ برائیوں سے دور بھاگتا ہے اور خالصتاً اللہ کے احکام کے مطابق زندگی گزارتا ہے۔ اس حدیث میں نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا اکٹھا ذکر ہے اور قرآنِ پاک میں 27 آیات میں نماز اور زکوٰۃ کا اکٹھا ذکر آرہا ہے۔ یعنی نماز اور زکوٰۃ دینا بہترین اعمال ہیں لیکن اگر ان کا ادا کرنا دکھاوے کے لیے ہے تو وہ بے سود اور ریاکاری ہے۔ تمام اعمال حسنہ اور اخلاق طیبہ کی روح اور جان اخلاص ہے۔ نام ونمود اور دنیاوی محرکات وجذبات کے پیشِ نظر جو بھی کام ہوگا وہ بارگاہِ الٰہی میں مقبولیت سے نہ صرف خالی ہوگا بلکہ موجب سزا بھی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی چیز کی مقبولیت اور اس پر جزا کا انحصار محض اخلاص سے کیے گئے اعمال حسنہ اور رضائے الٰہی پر ہے۔

حدیث نمبر 5

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خط لکھا اور اس میں درخواست کی کہ آپ مجھے کچھ نصیحت کیجیے۔ تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اُن کو یہ مختصر خط لکھا:

سلام ہو تم پر۔ اما بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے تھے ''جو کوئی اللہ کو راضی کرنا چاہے لوگوں کو اپنے سے خفا کر کے، تو اللہ مستغنی (بے پرواہ) کردے گا اس کو لوگوں کی فکر اور بار برداری سے اور خود اس کے لیے کافی ہو جائے گا اور جو کوئی بندوں کو راضی کرنا چاہے گا اللہ کو ناراض کر کے تو اللہ اس کو سپرد کردے گا لوگوں کے۔ والسلام۔'' (ترمذی)

اس حدیث کے ذریعے بھی یہ بات ثابت ہوگئی کہ اگر دینی و دنیاوی اعمال میں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے لوگوں کو ناراض بھی کرنا پڑے تو پرواہ نہیں ہونی چاہیے۔ اللہ اس شخص کے تمام معاملات خود ہی سنوار دے گا لیکن اگر مقصد لوگوں کی خوشی ہو اور اس بات کی پرواہ بھی نہ کرے کہ اللہ راضی ہوگا یا نہیں تو ایسے لوگوں کی پرواہ رب تعالیٰ کو بھی نہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کونسے اعمال ہیں جن کو اختیار کر کے انسان اللہ کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے اور دنیا کو بہتر طریقے سے استعمال کر سکتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''دنیا آخرت کی کھیتی ہے'' سو اس دنیا میں رہ کر ہمیں ایسے اعمال اختیار کرنے ہیں جو آخرت میں ہمارے کام آسکیں۔ اور ایسے اعمال سے بچنا چاہیے جو ہماری آخرت کی بربادی اور اللہ کی ناراضی کا سبب ہیں۔ اس سلسلے میں چند احادیث پیش خدمت ہیں:

حدیث نمبر 1

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''مجھے ایک ایسی آیت معلوم ہے کہ اگر لوگ اسے اختیار کرلیں تو وہی ان کے لیے کافی ہے۔ آیت ہے ''اور جو کوئی اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا اس کے لیے وہ (اللہ) نجات کی راہ پیدا کردے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہوگا۔'' (ابن ماجہ)

یہ آیت سورۃ طلاق کی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ تقویٰ کوئی معمولی وصف نہیں۔ تقویٰ کے لغوی معنی ''بچنے'' کے ہیں۔ یعنی اللہ کی ناراضگی سے بچنا۔ تقویٰ اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اللہ کی عظمت و بزرگی کو تسلیم کرتا ہے اور اپنی مرضی کے مقابلے میں اللہ کی مرضی کو فوقیت دیتا ہے۔ اللہ کی رضا اور خوشنودی کا حصول ہی اس کی زندگی کا اصل مقصد ہوتا ہے۔ دنیا اور دنیا والوں کی خوشنودی کی اسے کچھ خاص پرواہ نہیں ہوتی اور وہ لوگوں کو بھی اللہ کی رضا کی خاطر ہی راضی رکھتا ہے۔ ایسی صورت میں اللہ اسے بے چارگی کی حالت میں نہیں رہنے دے گا اس کی تکلیفوں کا مداوا وہ خود کرے گا۔ یہ بھی ناقابلِ قیاس ہے کہ ایسا شخص رزق سے محروم رہے، اللہ اس کے لیے ایسے ذریعے سے رزق کا بندوبست کرے گا جو اس کے گمان میں بھی نہ ہوگا۔

قرآن میں اللہ پاک فرماتا ہے ''اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے (اور برے کاموں کفر اور شرک سے) بچے رہتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے، مگر انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کے ان کے کاموں کی سزا میں ان کو پکڑ لیا۔'' (الاعراف۔96)

حدیث نمبر 2

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جانتے ہو لوگوں کو عام طور پر کونسی چیز جنت میں داخل کرتی ہے؟ وہ تقویٰ (یعنی اللہ سے ڈرنا) اور حسنِ خُلق ہے اور جانتے ہو لوگوں کو عام طور پر کونسی چیز دوزخ میں لے جاتی ہے؟ وہ دو کھوکھلی چیزیں ہیں یعنی منہ اور شرمگاہ۔'' (ترمذی و ابن ماجہ)

تقویٰ کا سب سے ادنیٰ مقام یہ ہے کہ شرک سے اجتناب کیا جائے اور سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا اور کسی کا خیال بھی دل و دماغ میں نہ آنے دیا جائے۔ حسن خُلق کا سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کسی مخلوق کو کوئی تکلیف نہ دی جائے اور سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اس شخص کے ساتھ بھی بھلائی کی جائے جس نے ہمیں نقصان پہنچایا ہو۔ تقویٰ اور حسن خلق کا گہرا تعلق ہے، جس دل میں تقویٰ ہوگا وہی عشق خداوندی سے بھی مالا مال ہوگا اور اسی عشق و محبت کے جذبے سے سرشار وہ خدا کی بنائی ہوئی مخلوق سے بھی محبت کرے گا۔ اسی وصف کی وجہ سے خیر و بھلائی کے دروازے اس پر کھول دیئے جاتے ہیں۔

حدیث کے دوسرے جز میں بیان کیا گیا ہے کہ منہ اور شرمگاہ گناہ کے دو بڑے سرچشمے ہیں جن سے پیدا ہونے والی برائیوں کے سبب انسان دوزخ میں جا گرتا ہے۔ منہ میں زبان ہے جسے انسان اپنی فحش کلامی، جھوٹ اور مکارانہ گفتگو کیلئے غلط استعمال کرتا ہے اور اسی زبان کے چسکے کی وجہ سے حلال و حرام کھانے کی تمیز بھول جاتا ہے اور شرمگاہ سب سے بڑی شہوت کی جڑ ہے اور شیطان کا دلفریب جال ہے جس میں پھنسا کر وہ انسان کو دوزخ تک لے جاتا ہے۔ اسی شرمگاہ کے سبب جنسی جذبات سے مغلوب ہو کر نفسانی شہوت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اللہ پاک کی نافرمانی کر بیٹھتا ہے۔

حدیث نمبر 3

حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''ایک شہر سے دوسرے شہر تک مال پہنچانے والے کو روزی دی جاتی ہے اور (مال کو مہنگا بیچنے کی غرض سے) مال کو روکنے والا ملعون ہے۔'' (ابن ماجہ)

قرآنِ پاک میں اللہ پاک فرماتا ہے ترجمہ: ''اللہ نے تجارت کو حلال اور سودی کاروبار کو حرام کیا ہے''۔ (البقرہ)

اور فرماتا ہے:

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کے مال کو ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ آپس میں رضامندی سے تجارت ہو''۔ (سورۃ النساء)

انسانی زندگی پر نظر ڈالیں تو اس زندگی کو گزارنے کے لیے انسان کو محنت کی ضرورت ہے تاکہ کچھ رزق حاصل کر سکے۔ بار نبوت اٹھانے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے

بکریاں بھی چرائیں اور تجارت بھی کی۔ بلکہ فرمایا گیا ہے کہ ''الکاسب حبیب اللہ''یعنی ہاتھ سے کما کر کھانے والا اللہ کا محبوب ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے اکثر تجارت کیا کرتے تھے مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کبھی منع نہیں کیا تھا بلکہ فرمانِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے'' سچا اور امانت دار تاجر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔'' (ترمذی) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بہت بڑے تاجر تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ لیکن ان میں سے کسی نے بھی تجارت مال جمع کرنے کے لیے نہیں کی اور نہ ہی ناجائز طریقے اپنائے بلکہ اپنے مال و دولت کو جمع کرنے کی بجائے ایک بڑی رقم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سپرد کرتے جس سے اسلام کو طاقت ملتی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ غزوہ تبوک کے لیے مال لائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دریافت فرمایا کہ گھر والوں کے لیے کیا کچھ چھوڑا؟ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا''اللہ اور اس کا رسول۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جنگِ عسرہ کی مالی امداد کے لیے مسلمانوں کو جوش دلا رہے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! اللہ کی راہ میں کام آنے کے لیے 100 اونٹ مع ان کی جھولوں اور پالانوں کے میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ اسکے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دوبارہ (اسی محفل میں) پھر لوگوں کو اس جنگ کے لیے امداد و معاونت کے لیے متوجہ اور راغب کیا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا (پہلے سو اونٹوں کے علاوہ مزید) دو سو اونٹ مع جھولوں اور پالانوں کے میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں''میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم منبر سے اترتے جا رہے تھے اور فرماتے جا رہے تھے''اس عمل کے بعد عثمانؓ جو بھی کریں ان کو کوئی نقصان نہ ہوگا۔''

پس محنت کر کے حلال کمانا بھی عبادت ہے اور اسے اپنے اہل و عیال کی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اللہ کی رضا حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ بھی ہے۔

حدیث نمبر 4

حضرت ابوالاحوصؒ نے اپنے والد سے روایت کیا کہ میں خدمتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر ہوا (اس وقت) میرے کپڑے میلے کچیلے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کیا تمہارے پاس مال ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تمہارے پاس کس قسم کا مال ہے؟ تو میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے مجھے بکریاں، گھوڑے اور غلام سب کچھ دے رکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب تمہیں مال دیا ہے تو اس کے انعامات کا اثر اور اس کی عزت تمہارے جسم پر بھی نظر آنی چاہیے۔ (ابوداؤد)

ایک انسان کو زندگی گزارنے کے لیے جن اہم چیزوں کی ضرورت پیش آتی ہے دینِ اسلام ان تمام باتوں کی مکمل تعلیم دیتا ہے، اس میں ایک لباس بھی ہے۔ اچھا اور صاف ستھرا لباس اچھی شخصیت کی عکاسی کرتا ہے اور جب مسلمان اچھے لباس اور نکھری شخصیت کے ساتھ غیر مذہب لوگوں سے ملتا ہے تو ان پر مسلمانوں کا اچھا اثر پڑتا ہے۔ بہت سے لوگ عاجزی اختیار کرنے اور کبر سے بچنے کے لیے میلا یا پھٹا پرانا لباس پہنتے ہیں ان کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مندرجہ بالا حدیث ہی کافی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا''ایک مرتبہ ایک شخص دو دھاری کے کپڑے پہن کر گھر سے نکلا اور اس لباس کی خوبصورتی سے وہ اکڑ کر چل رہا تھا یہاں تک کہ غرور اس کے دل میں گھس گیا اور اسی وقت زمین پھٹی اور وہ اس میں دھنس گیا۔'' تو اچھا لباس پہننے میں کوئی قباحت نہیں لیکن اگر اس کی وجہ سے انسان کے دل میں غرور و تکبر جیسے گھٹیا جذبات جاگیں تو اس سے بری چیز کوئی نہیں۔

اسی طرح زندگی کے ہر معاملے کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے احادیث کے ذریعے جامع انداز میں بیان فرمادیا جیسا کہ:

❁ حضرت جابر بن سمرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کرتے ہیں''انسان اپنے بچے کو ادب سکھائے یہ ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔'' (ترمذی)

❁ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا''ان چیزوں سے بچو جن کو حرام قرار دیا گیا ہے، نہایت عبادت گزار بن جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں جو کچھ رکھا ہے اس پر راضی رہو، حد درجہ بے نیاز ہو جاؤ گے۔ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو مومن ہو جاؤ گے۔ لوگوں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے کرتے ہو مسلم ہو جاؤ گے اور زیادہ نہ ہنسو کیونکہ زیادہ ہنسنا دلوں کو مردہ کرتا ہے۔''

ان تمام احادیث کے ذریعے دنیا کے اچھے اور برے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے اب اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اچھائی کے راستے پر ڈالے اور ہم بہتر کو چنیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے بارے میں فرماتے ہیں''میری مثال ایسے ہے جیسا کہ کسی شخص نے آگ روشن کی ہو لیکن جب اس نے اپنے گرد و پیش کو خوب روشن کر دیا تو پروانے اور کیڑے جو آگ میں گرا کرتے ہیں، اس میں گرنے لگے اور وہ (آدمی) ہے کہ انہیں روک رہا ہے اور وہ ہیں کہ اس پر غالب آ کر اس میں گھسے پڑتے ہیں تو (میری اور اپنی مثال ایسی سمجھو کہ) میں تمہاری کمر پکڑ کر (دوزخ کی) آگ (میں جانے) سے روکتا ہوں اور تم ہو کہ اس میں گھسے پڑتے ہو۔'' اس حدیث مبارکہ میں نا سمجھ انسان کی نادانی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفقت کی حقیقی اور زندہ تصویر سامنے آتی ہے۔ جو لوگ اللہ کے عذاب سے بے خوف ہو کر حدودِ الٰہی کو پامال کرتے ہیں اللہ کے غضب کے مستحق ہوتے ہیں لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انہیں عذاب سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اگر پھر بھی کوئی نہیں سنبھلتا تو وہ اپنی تباہی کا خود ذمہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی حقیقت کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

ایمان

اِقرارٌ بِاللِّسَانِ وَ تَصدِیقٌ بِالقَلبِ

تحریر: عنبرین مغیث سروری قادری ایم۔اے (ابلاغیات)

بلاشبہ موجودہ دور میں انسان کی ترجیحات میں ''ایمان'' کی حیثیت سب سے کم تر درجہ پر ہے۔ ایک انسان اس لیے مسلمان ہے کیونکہ وہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا۔ وہ عبادات سرانجام دیتا ہے کیونکہ اس کو بچپن سے سکھایا جاتا ہے کہ اُس نے اللہ کی عبادت کرنی ہے اور یہ عبادت اس کی عادت میں شامل ہو جاتی ہے۔ وہ اپنی باقی تمام عادات کی طرح عبادت کو بھی اپنی زندگی کا حصہ بناتا ہے اور دیگر دنیاوی امور کی طرح وقت ملنے پر اس کو بھی ایک ضروری کام سمجھ کر سرانجام دیتا ہے اور اپنی اس عادت کو ہی وہ ''ایمان'' سمجھ لیتا ہے۔ اپنی زندگی کے زیادہ تر امور کے متعلق وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ یہ کام کیوں کر رہا ہے، وہ جانتا ہے کہ وہ تعلیم کیوں حاصل کر رہا ہے، شادی کیوں کر رہا ہے، نوکری کرنے کا مقصد کیا ہے اور اس کا یہ جاننا کافی حد تک صحیح بھی ہوتا ہے لیکن وہ اللہ کی عبادت کیوں کر رہا ہے، اس کے بارے میں یا تو وہ غور نہیں کرتا لہٰذا جانتا ہی نہیں اور اگر کچھ اندازہ لگا ہی لیتا ہے تو اس کی سوچ جنت کے حصول اور جہنم سے نجات تک پہنچ کر رک جاتی ہے۔ اللہ تک پہنچنا، اللہ کو جاننا، اپنے ایمان کی حقیقت کو جاننا، عبادات کی حقیقت کو جاننا، اس کے لیے کبھی غور طلب مسئلہ ہی نہیں رہا۔ اس کے لیے ایمان صرف ثواب و عذاب کے دائرے میں قید ہے۔ وہ زندگی کے ہر شعبے میں آگے بڑھنا چاہتا ہے، ترقی کرنا چاہتا ہے، کامیابیاں حاصل کرنا چاہتا ہے سوائے ایمان کے، اور اگر چاہے بھی تو صرف عبادات کو ہی اس کا ذریعہ سمجھ لیتا ہے۔ ان عبادات میں نہ اللہ کی محبت شامل ہوتی ہے نہ ہی اُس کے قرب و دیدار کی آرزو۔ بے روح خالی اعمال ہرگز ایمان نہیں ہو سکتے۔ صرف زبان سے کہہ دینا کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمانوں کے ظاہری اعمال نماز، روزہ، پردہ، زکوٰۃ اور دیگر احکامِ شریعت کی پیروی مسلم معاشرے میں رہتے ہوئے رسوم و رواج کی طرح ادا کرنا ''ایمان'' نہیں کہلاتا۔ عملاً اور لساناً مسلمان ہونا اور بات ہے اور حقیقتاً قلبی اور باطنی طور پر مکمل مومن ہونا اور بات ہے۔ ایک بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کچھ دیہاتی جو نئے مسلمان ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہم بھی مومن ہیں ہم پر بھی عنایت فرمائیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دوسرے مومنین پر فرما رہے ہیں۔ ابھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جواب بھی نہ دے پائے تھے کہ وحی کا نزول شروع ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ترجمہ: ''یہ دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان والے (مومن) ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) فرما دیں کہ تم ایمان والے نہیں ہو بلکہ یہ کہو کہ ابھی مسلمان ہوئے ہو۔ ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔'' (الحجرات۔14)

یعنی مسلمان ہونے اور ایمان والا ہونے میں بہت فرق ہے۔ مسلمان وہ ہے جس نے صرف زبان سے کسی کے کہنے پر کلمہ پڑھا اور دینِ اسلام کے ارکان پر دوسروں کی دیکھا دیکھی عمل کیا، یا کسی مسلمان گھرانہ میں پیدا ہوا۔ ایمان والا وہ ہے جس کے دل نے اچھی طرح جان لیا، دیکھ کر سمجھ کر پہچان لیا کہ اللہ واحد ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے اور پھر اُس کی عبادت کی۔ مسلمان وہ جس کے صرف جسمانی اعضاء اللہ کی عبادت کرتے ہیں، ایمان والا وہ جس کی روح اور قلب بھی اللہ کے سامنے سربسجود ہوتے ہیں۔ اعضاء نظر آتے ہیں جبکہ روح کا تعلق غیب سے ہے، وہ غیر مرئی ہے۔ اسی طرح ایمان بھی غیر مرئی ہے اور اس کا تعلق بھی غیب سے ہے۔ یوں ایمان کا تعلق اعضاء کے اعمال سے نہیں بلکہ روح

سے ہوا۔ قرآن حکیم کے آغاز میں ہی اللہ واضح فرما دیتا ہے کہ ''ایمان'' کی بنیاد غیب پر یقین لانے سے ہے۔

❁ ترجمہ: (قرآنِ کریم) وہ عظیم کتاب ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ اس میں ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لیے، جو ''غیب'' پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی طرف نازل کیا گیا اور جو کچھ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے پہلے نازل کیا گیا، سب پر ایمان لاتے ہیں اور وہ آخرت (جو دنیا میں ان کے لیے 'غیب' ہی ہے) پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ وہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی حقیقی کامیابی پانے والے ہیں۔ بے شک جنہوں نے کفر اپنا لیا ہے ان کے لیے برابر ہے خواہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ (غیب پر) ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ نے ان کے قلوب (ارواح) اور (روح کے) کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی (روح کی) آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے اور ان کے لیے سخت عذاب ہے اور لوگوں میں سے بعض وہ (بھی) ہیں جو (صرف زبان سے) کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر، یومِ قیامت پر ایمان لائے حالانکہ وہ ہرگز مومن نہیں۔ وہ اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں مگر (اصل میں) وہ اپنے آپ کو ہی دھوکہ دے رہے ہیں اور انہیں اس کا شعور نہیں۔ (البقرہ:9-1)

اسی طرح ایمانِ مفصل میں بھی ایمان کو غیب سے ہی منسلک کیا گیا ہے:

ترجمہ: میں ایمان لایا اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور یومِ آخرت پر اور اس بات پر کہ ہر خیر اور شر اللہ کی طرف سے ہے اور یہ کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

ایک عام مسلمان نہ اللہ کو دیکھتا اور پہچانتا ہے اور نہ فرشتوں کو اور پچھلے رسولوں کو اس نے دیکھا ہے، نہ ہی ان کی کتابوں کے حقیقی یا غیر حقیقی ہونے کے بارے میں اسے یقین کامل ہوتا ہے، اور نہ ہی وہ آخرت کی حقیقت کو سمجھتا ہے۔ ان سب باتوں پر ایمان لانا غیب پر ایمان لانا ہے۔ اگر ایک مسلمان ان تمام باتوں کی حقیقت کو سمجھے اور جانے بنا ہی صرف بزرگوں کے کہنے پر، یا کتابوں سے پڑھ کر انہیں مان لیتا ہے اور اس مان لینے کو ہی ایمان سمجھ لیتا ہے تو ایسا ایمان صرف تقلیدی ایمان ہوگا۔ اس میں اس کے قلب اور روح کی تصدیق شامل نہ ہوگی۔ جب تک قلب اس تمام ''غیب'' کو جان کر ان کی تصدیق نہ کرے حقیقی ایمان ممکن نہیں، قلبی تصدیق کے بغیر ایمان نامکمل اور بے فائدہ ہے۔ ''ایمانِ مجمل'' میں مسلمان پر قلبی تصدیق لازم قرار دی گئی

ترجمہ: ''میں ایمان لاتا ہوں اللہ کے وجود پر جیسا کہ وہ ہے۔ اس کے تمام اسماء اور صفات پر اور اس کے جملہ احکام کو قبول کرتا ہوں جن کا اپنی زبان سے اقرار کرتا ہوں اور دل سے تصدیق کرتا ہوں۔'' اللہ کے وجود پر جیسا کہ وہ حقیقت میں ہے، ایمان لانا اُسے دیکھے بغیر کیسے ممکن ہے۔ لغت کے اعتبار سے بھی ایمان کے معنی 'تصدیق' کے ہیں اور تصدیق کرنے کے لیے مشاہدہ (یعنی دیکھ کر گواہی دینا) ضروری ہے۔ غیب پر حقیقی ایمان لانا جسم یا جسمانی اعمال کا کام نہیں بلکہ روح جو کہ خود غیب ہے، کا کام ہے۔ حضرت محمد بن خفیف رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

❁ الایمان تصدیق القلب بما علم به الغیب

ترجمہ: ایمان، دل کے اس یقین کا نام ہے جو اس پر غیب سے منکشف ہوا ہے یعنی غیب سے اسے سکھایا گیا ہے۔ (کشف المحجوب)

حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''ایمان تو ہی غیب پر ہے اور خداوند تعالیٰ جو غائب ہے، سِرّ کی آنکھوں سے حق تعالیٰ کی اپنی ہی تائید و تقویت کے بغیر بندے کے یقین میں نہیں آ سکتا اور یہ ایمان بالغیب حق تعالیٰ کی اطلاع سے ہی ممکن ہے۔۔۔۔ پس جو کوئی اپنے دل کو حق تعالیٰ کی معرفت (پہچان) سے یقین آور کر لیتا ہے وہی مومن اور واصل بحق ہوتا ہے۔'' (کشف المحجوب)

یعنی غیب پر ایمان تب ہی صحیح ہوگا جب روح، جس کا تعلق غیب سے ہے، کیونکہ وہ اللہ سے ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ ترجمہ: ''میں نے اس میں اپنی روح پھونکی''، جسم سے آزاد ہو کر عالمِ غیب میں غیب الغیوب اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرتی ہے اور اللہ خود اسے اپنی پہچان و معرفت عطا کرتا ہے، اپنے فرشتوں، رسولوں، کتابوں کا علم عطا کرتا ہے، آخرت اور خیر و شر کی حقیقتوں سے آگاہ کرتا ہے۔ یوں اس کا غیب پر ایمان صرف تقلیدی یا زبانی نہیں ہوتا بلکہ حقیقی اور کامل ہوتا ہے جس میں اس کی زبان کے ساتھ ساتھ اس کے دل کا یقین بھی شامل ہوتا ہے۔

حاصل بحث یہ کہ 'ایمان' کوئی آسان یا معمولی سی بات نہیں جسے ہم اپنی زندگیوں میں خاص قابلِ توجہ ہی نہیں سمجھتے اور جتنی بات دوسروں سے سن کر یا کتابوں سے پڑھ کر ہماری سمجھ میں آ جائے یا ذہن میں بیٹھ جائے اسے ایمان سمجھ کر اس بات پر تسلی کر لیتے ہیں کہ ہم مومن ہیں، ہمارا ایمان تو بہت پختہ ہے اور ہم تو دل سے اللہ، اس کے فرشتوں، رسولوں اور کتابوں پر یقین رکھتے ہیں، ہم آخرت کی حقیقت بھی اچھی طرح سمجھتے ہیں اور خیر و شر کی مکمل سمجھ بھی ہمیں حاصل ہے۔ یہ سوچ کر دین و ایمان میں آگے بڑھنے اور اس کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے اور دن رات صرف جسمانی اعمال و عبادات ادا کر کے سمجھ لیتے ہیں کہ ہمیں اللہ کی رضا اور قرب بھی حاصل ہو گیا ہے حالانکہ اللہ کا قرب حاصل کرنے والی روح ان عبادات میں شامل ہی نہیں ہوتی۔

ایمان تو ایک انتہائی اعلیٰ و ارفع منزل ہے جس تک رسائی درجہ بدرجہ ہوتی ہے اور جس کے ہر درجے کی بنیاد عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور عشقِ الٰہی ہے۔ ایمان صرف ان ہی دلوں میں داخل ہوتا ہے جن میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شدید محبت موجود ہو۔ جن دلوں میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت دنیا کی ہر شے اور ہر رشتے کی محبت پر حاوی نہیں وہاں ایمان کا ذرہ بھی موجود نہیں خواہ وہ تمام عمر رات بھر عبادت کریں اور دن بھر روزہ سے رہیں۔ یہ عشق کی قوت ہی روح کو جسم کی قید سے رہائی دلا کر عالمِ غیب میں اللہ سے ملاتی ہے، جہاں وہ اپنی روحانی آنکھوں سے غیب سے تعلق رکھنے والی ہر شے کا

مشاہدہ کرتی ہے اور کامل ایمان کے درجے تک پہنچتی ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ایمان کو اپنی شدید محبت اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل اطاعت و پیروی سے منسلک کرتا ہے:

❁ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ۔165)

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اللہ کے لیے ان کی محبت بہت شدید ہے۔

❁ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا O (النساء۔65)

ترجمہ: پس (اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے رب کی قسم یہ لوگ کبھی ایمان والے نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے والے اختلاف میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حاکم بنا لیں۔ پھر اس فیصلہ سے جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صادر فرما دیں، اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو) بخوشی پوری فرمانبرداری کے ساتھ قبول کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل فرمانبرداری جس میں دلوں کی خوشی بھی شامل ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق کے بغیر ممکن نہیں اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

❁ لَنْ يُؤْمِنَ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهٖ

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص ہرگز مومن نہ ہوگا جب تک وہ مجھے اپنی ذات سے زیادہ محبوب نہ رکھے گا۔ (بخاری شریف، شفا شریف، کنز العمال)

❁ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ

ترجمہ: مجھے قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں جب تک کہ وہ مجھے اپنے باپ اور اپنی اولاد سے عزیز تر نہ جانے۔ (صحیح بخاری)

ایک بار ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سچا پکا مومن کب بنوں گا؟'' فرمایا ''جب تو اللہ تعالیٰ سے محبت کرے گا۔'' اس نے عرض کیا ''میرے آقا! میری محبت اللہ تعالیٰ سے کب ہوگی؟'' فرمایا ''جب تو اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے محبت کرے گا''۔ پھر عرض کیا ''اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میری محبت کب ہوگی؟'' فرمایا ''جب تُو ان کی راہ پر چلے گا اور ان کی سنت کی پیروی کرے گا اور ان سے محبت کرنے والوں کے ساتھ محبت کرے گا اور ان سے بغض رکھنے والوں کے ساتھ بغض رکھے گا اور کسی سے محبت کرے گا تو ان کی وجہ سے کرے گا اور اگر کسی سے عداوت رکھے گا تو بھی اُن کی وجہ سے ہی رکھے گا'' پھر فرمایا ''لوگوں کا ایمان ایک جیسا نہیں بلکہ جس کے دل میں میری محبت جتنی زیادہ ہوگی اتنا ہی اس کا ایمان قوی ہوگا۔ یوں ہی لوگوں کا کفر بھی ایک جیسا نہیں بلکہ جس کے دل میں میرے متعلق بغض زیادہ ہوگا اُس کا کفر بھی اُتنا ہی بڑا ہوگا۔'' (دلائل الخیرات)

پس ایمان اس شدید جذبۂ محبت کا نام ہے جو اللہ کے بندے میں جب جاگتا ہے تو وہ اپنا آپ مکمل طور پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کر دیتا ہے۔ اس میں نہ اپنا ارادہ باقی رہتا ہے، نہ اختیار، نہ دنیا کی کسی شے کی محبت اور طلب۔ جن میں ایمان کی یہ صورت موجود نہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

❁ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ O (التوبہ۔24)

ترجمہ: (اے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرما دیں اگر تمہارے باپ (والدین) اور تمہارے بیٹے (اولاد) اور تمہارے (بہن) بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے (دیگر) رشتہ دار اور تمہارے اموال جو تم نے کمائے اور تجارت و کاروبار جس کے نقصان سے تم ڈرتے رہتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (عذاب) لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا۔

جن لوگوں کے لیے ایمان صرف ظاہری اعمال وعبادات کا نام ہے اور ان کے دلوں میں عشقِ الٰہی اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حد تک نہیں موجود کہ وہ اپنی تمام محبتیں اور خواہشیں اس پر قربان کر دیں، ان کو اللہ ہرگز ہدایت کا راستہ نہیں دکھاتا جو سیدھا اس کی ذات تک جاتا ہے۔ یہ لوگ دنیا میں بھی گمراہ ہیں اور آخرت میں بھی راندۂ درگاہ ہیں۔ ان کے برعکس وہ لوگ جن کے دلوں میں عشقِ الٰہی اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان کی صورت میں موجود ہے ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

❁ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

ترجمہ: اللہ ایمان والوں کا کارساز ہے وہ انہیں تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے۔

اسی نور میں وہ اللہ کا دیدار کرتے ہیں، اس کی معرفت حاصل کرکے اور قلب کی آنکھوں سے خود اسے دیکھ کر اس کی وحدانیت پر ایمان لاتے ہیں۔ ایمان کا یہ مقام جہاں غیب پر یقین کامل بغیر کسی شک کے نصیب ہوتا ہے، صرف عشق سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ عشق کا تعلق بھی غیب سے ہی ہے۔

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ عشق ایک لطیفہ ہے جو غیب سے دل میں پیدا ہوتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ حق تعالیٰ کی معرفت (پہچان) کا نام ایمان ہے۔

❁ ایمان اور معرفت، محبت کا نتیجہ ہیں اور محبت کی علامت اطاعت ہے۔ (کشف المحجوب)

اللہ کی محبت اور معرفت کے بعد ہی اعمال وعبادات درست اور خشوع وخضوع سے معمور ہوتے ہیں اور اللہ اور اس کے

رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہر حکم کی پیروی اور اطاعت میں ذرہ بھر بھی تنگی یا مشکل محسوس نہیں ہوتی بلکہ مزید ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے اور اس بندے کا ہر عمل اللہ کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ جب اطاعت کرنے والا اس مقام تک پہنچ جائے کہ حق تعالیٰ اس سے اطاعت کا رنج اٹھالیں اور ان احکام کو بجا لانے کی اُس کو زیادہ توفیق عطا فرمائیں یہاں تک کہ دوسرے لوگ تو ان احکام کو ذرا رنج کے ساتھ بجالائیں اور اس کو ان میں کوئی رنج محسوس نہ ہو۔ لیکن یہ مقام کمال شوق، محبت کی تڑپ اور عشق کے اضطراب کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ (کشف المحجوب)

❁ جب عارف کو دل میں معرفت (ایمان) کی حقیقت حاصل ہو جاتی ہے تو گمان، شک اور عدم معرفت کی حکمرانی فنا ہو جاتی ہے اور معرفت کی بادشاہت اس کے حواس اور خواہشات کو اپنا مسخر کر لیتی ہے تا کہ وہ جس چیز میں دیکھے، جو کچھ کرے اور جو کچھ کہے سب حق تعالیٰ کے دائرہ حکم میں ہو۔ (کشف المحجوب)

الغرض اطاعت اور اعمال ایمان بالغیب کے بغیر درست ہو ہی نہیں سکتے اور ایمان بالغیب شدتِ عشق کی تڑپ کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتا۔ عشق ہی ایمان کی شرطِ اوّل ہے۔ اسی عشق سے توکل الٰہی پیدا ہوتا ہے جو ایمان کی دوسری شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

❁ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ O

ترجمہ: اور اللہ پر ہی بھروسا کرو اگر تم مومن ہو۔

جو لوگ صرف زبان سے ایمان کا اقرار کرتے ہیں اور جو لوگ دل سے ایمان لاتے ہیں ان کی پرکھ کرنے کے لیے یا ان میں فرق کو سمجھنے کے لیے ''توکل'' انتہائی اعلیٰ معیار ہے جو صرف دکھاوے کا زبانی ایمان لانے والوں کی قلعی کھول کر رکھ دیتا ہے۔ یہ لوگ زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم رزق کے معاملے میں اللہ پر ہی توکل کرتے ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ وہی ہمارا روزی رساں ہے لیکن سارا دن اللہ کو بھول کر رزق کے پیچھے مارے مارے پھرتے ہیں، گھروں میں مال جمع رکھتے ہیں۔ کئی سالوں کے لیے روزی کا بندوبست کیے رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے پہلے اپنے اخراجات کو بہترین طریقے سے پورا کرنے کے بعد جو بچے کھچے وہ اللہ کی راہ میں دے دیتے ہیں۔ جبکہ تصدیق بالقلب والوں کو یقین کامل ہوتا ہے کہ اللہ خود ان کی ہر ضرورت کو پورا کرے گا اس لیے خود اناج کا ایک دانہ بھی جمع نہیں کرتے۔ اپنا تمام مال و اسباب اللہ کی راہ میں دے دینے کو باعثِ سعادت سمجھتے ہیں اور اس توفیق پر بھی اللہ کے ہی شکر گزار ہوتے ہیں۔ زبانی اقرار کرنے والے اللہ کی راہ میں اپنا تمام مال و اسباب دے کر بالکل تہی داماں ہو جانے سے پہلے ہزار بار سوچیں گے اور توکل کی کمی کے باعث کبھی ایسا نہ کر پائیں گے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں اس بات کا ڈر ہے کہ ہمارا کل کیسا گزرے گا، کہیں ہم بھوکے تو نہ مر جائیں گے یعنی انہیں شک ہے کہ اللہ ان کا روزی رساں ہے، یہیں سے ان کے ایمان کا پول کھل جاتا ہے حالانکہ اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ ایک مسلمان اللہ کی راہ میں نیک نیتی سے جو خرچ کرے گا اللہ اس کا دس گنا اُسے لوٹائے گا۔ یعنی ان کے دل میں اللہ کے اس وعدے کے بارے میں بھی یقین کی بجائے شک موجود ہے، ایسے لوگوں سے حضور غوث الاعظم فرماتے ہیں:

❁ تم کیوں وہ بات کہتے ہو جس کی خود مخالفت کرتے ہو، کیا تمہیں شرم نہیں آتی۔ تم کیوں ایمان کا دعویٰ کرتے ہو اور ایمان نہیں لاتے۔ ایمان ہی تو ہے جو آفتوں کا مقابلہ کرتا ہے اور بوجھوں کے نیچے صابر ہے۔ ایمان ہی مقابل کو زیر کرنے والا اور قتل کرنے والا ہے۔ ایمان ہی تو مسلمان کے نزدیک تمام چیزوں سے معزز اور مکرم ہے۔ (الفتح الربانی)

ایمان کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کے برعکس جن مومنوں کے دلوں میں اللہ کا سچا ایمان موجود ہے وہ اس یقین کے باعث کہ اللہ ان کے مقدر کا رزق انہیں ضرور پہنچائے گا، بآسانی و بخوشی اپنا تمام مال و اسباب اللہ کی راہ میں دے دیتے ہیں۔ اللہ کی یہ عبادت ذرہ بھر بھی ان کے لیے رنج و تکلیف کا باعث نہیں بنتی نہ ہی انہیں اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی غم و فکر ہوتا ہے جیسا کہ اللہ نے ایسا ایمان رکھنے والوں کے متعلق فرمایا:

فرمانِ باھو رحمتہ اللہ علیہ

ہر چیز کی آفت ہے اور آدمی کی آفت اس کا نفس ہے۔ فرمانِ حق تعالیٰ ہے: وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ (الکہف۔35) ''وہ جنت میں داخل ہوا اور اپنے نفس کے لیے ظالم بنا'' اور نفس کی آفت طمع ہے۔ نفس و طمع آدمی سے جدا نہیں ہوتے جب تک کہ وہ ترک و توکل اختیار نہ کرے اور ترک و توکل حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ دل میں دردِ داغِ محبتِ مولیٰ پیدا نہ ہو اور دردِ داغِ محبتِ مولیٰ پیدا نہیں ہوتا جب تک کہ کلمہ طیب کا ذکر نہ کیا جائے اور کلمہ طیب کا ذکر تاثیر نہیں کرتا جب تک کہ مرشد کامل کے ارشاد کے تحت نہ ہو اور اگر کلمہ طیب لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا ذکر ارشادِ مرشد کامل کے تحت کیا جائے تو توحید و توکل دونوں حاصل ہو جاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے ''توحید اور توکل دونوں جڑواں بھائی ہیں'' اور یہ دونوں تلاوتِ قرآن، ذکرِ نفی اثبات اور لازوال استغراقِ تصورِ اسمِ اَللّٰهُ ذات سے حاصل ہوتے ہیں۔ (محک الفقر کلاں)

﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ O اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ O (یونس۔62-63)

ترجمہ: بے شک جو اللہ کے دوست ہیں انہیں نہ کوئی غم ہے، نہ رنج، یہی لوگ ہیں جو ایمان والے ہیں اور (صرف) اللہ سے ڈرتے ہیں۔

اللہ پر سچا ایمان لانے والوں کو اللہ کی ناراضگی کے سوا کسی بات کا خوف نہیں ہوتا۔ نہ بھوک کا، نہ تنگی و ترشی کا، نہ بیماری و پریشانی کا، نہ جہنم نہ عذاب کا، کیونکہ انہوں نے اللہ پر مکمل توکل کرتے ہوئے اپنی دنیا و آخرت اور اپنا انجام اللہ کے سپرد کر دیا ہوتا ہے۔ انہیں یقین ہوتا ہے کہ اللہ کی طرف سے جو بھی ان کی طرف آئے گا اور اللہ جو بھی ان کے لیے فیصلہ کرے گا وہ بہترین ہوگا۔ اسی ایمان اور توکل نے انہیں ہر غم اور خوف سے بے نیاز کر دیا ہے۔

ایک بار کسی نے حضرت ابراہیم خواص رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ تو آپؒ نے جواب دیا ''ابھی میرے پاس اس کا جواب نہیں ہے کیونکہ میں اس وقت جو کچھ کہوں گا وہ محض ایک عبارت ہوگی حالانکہ مجھے اپنے عمل سے اس کا جواب دینا چاہیے۔ البتہ میں مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ رکھتا ہوں تم بھی اس ارادے سے سفر میں میرے ساتھ رہو تاکہ تمہیں اپنے سوال کا جواب مل جائے۔'' راوی کہتا ہے کہ میں نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ میں ان کے ساتھ جنگل میں پہنچا تو معاملہ یوں ہوا کہ ہر روز دو روٹیاں اور شربت کے دو پیالے نمودار ہوتے۔ حضرت ابراہیم خواصؒ ان میں سے ایک مجھے عنایت فرماتے اور ایک خود اٹھا لیتے یہاں تک کہ جنگل میں ایک دن ایک بزرگ گھوڑے پر سوار تشریف لائے۔ جب انہوں نے حضرت ابراہیمؒ کو دیکھا تو اپنے گھوڑے سے اتر آئے اور دونوں نے ایک دوسرے کا حال پوچھا۔ کچھ دیر دونوں آپس میں باتیں کرتے رہے اور پھر وہ بزرگ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر واپس تشریف لے گئے۔ میں نے عرض کی ''اے شیخ مجھے بھی بتایئے وہ بزرگ کون تھے؟'' آپ نے فرمایا ''وہ تمہارے اس سوال کا جواب تھے۔'' میں نے عرض کیا ''وہ کس طرح؟'' آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ''وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے اور میری صحبت و ہمنشینی کے طالب تھے لیکن میں نے قبول نہیں کیا۔'' میں نے پوچھا ''کیوں؟'' آپ رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ''اس لیے کہ میں اس بات سے ڈرا کہ کہیں ان کی صحبت میں رہتے ہوئے حق تعالیٰ پر اعتماد کرنے کی بجائے اُن پر بھروسا نہ کر بیٹھوں اور اس طرح میرا توکل تباہ ہو جائے کیونکہ ایمان کی حقیقت توکل کی حفاظت کرنا ہے۔'' (کشف المحجوب)

حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہٗ اللہ تعالیٰ پر مکمل توکل رکھنے والے سچے اور اصل مومن کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿ مومن شخص تو صرف زادِ راہ لیتا ہے اور کافر خوب مزے اڑاتا ہے۔ مومن مسافر جیسا زادِ راہ لیتا ہے اور اپنے تھوڑے مال پر قناعت کرتا ہے اور بہت زیادہ مال آگے آخرت کی طرف بھیجتا رہتا ہے۔ اپنے نفس کے لیے اس قدر رہنے دیتا ہے جیسا کہ مسافر کا توشہ ہوتا ہے کہ وہ جس کو آسانی کے ساتھ اٹھا سکتا ہے اور اس کا مال آخرت میں ہے اور اس کا دل اور تمام ہمت اس کی طرف ہے اور اس کا دل دنیا سے منقطع ہو کر اسی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنی تمام طاعتوں کو آخرت کی طرف بھیجتا ہے، نہ کہ دنیا اور اہلِ دنیا کی طرف۔ اگر اس کے پاس عمدہ اور بہترین کھانا ہوتا ہے تو وہ فقرا پر اس کا ایثار کرتا ہے اور وہ اس بات کو جانتا ہے کہ اس کو یومِ آخرت اس سے بہتر کھانا عطا کیا جائے گا۔ (الفتح الربانی)

ایمان والوں کی دنیا اور دنیا کے مال سے اس قدر لاتعلقی اللہ کی محبت، جو ان کا ایمان ہے، کے علاوہ اس یقین کی وجہ سے بھی ہے جو انہیں آخرت کے دن پر ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ آخرت دنیا سے بہتر ٹھکانہ ہے اس لیے اپنے مال کا کثیر حصہ آخرت کی طرف بھیجتے ہیں۔ یہ ہی ان کے غیب پر یقین کی علامت ہے جبکہ ایمان کے صرف اقرار باللسان تک محدود رہنے والے آخرت پر اور اس کے اس دنیا سے کہیں بہتر جگہ ہونے پر کم یقین کے باعث اس دنیا کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں۔ زیادہ مال اسی دنیا پر خرچ کر کے آنے والی آخرت کی طرف بہت ہی کم بھیجتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ایسے امتیوں کے متعلق فکرمند رہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے ''مجھے اگر کوئی خوف ہے تو اپنی امت کے ضعفِ یقین کا ہے۔''

صرف زبان سے اقرار کرنا کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے، حاضر و ناظر ہے اور بندے کے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے، ان لوگوں کو گناہ سے نہیں روک پاتا۔ چونکہ معرفت کی کمی کے باعث اللہ ہر وقت ان کے نزدیک ہوتے ہوئے بھی ان کو دکھائی نہیں دیتا اور اس غیب پر ان کا ایمان انتہائی متزلزل ہوتا ہے اس لیے جھوٹ، غیبت، بہتان، مکر جیسے کبیرہ گناہ بغیر کسی خوف کے سرانجام دیتے ہیں۔ اگر انہیں اس بات کا یقین ہوتا کہ اللہ نزدیک ہی ہے تو خوف کے باعث کبھی بھی ایسا نہ کرتے۔ زبانی اقرار کے باعث یہ مان تو لیتے ہیں کہ اللہ ہر وقت انہیں دیکھ رہا ہے لیکن یقین کی کمی کے باعث اس حقیقت کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث مبارکہ ہے ''جب کوئی بندہ اپنے دروازوں کو بند کر لیتا ہے اور اس پر پردے ڈال دیتا ہے اور مخلوق سے چھپ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مشغول ہو جاتا ہے تو تب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اے ابنِ آدم تو نے اپنی طرف دیکھنے والوں میں سب سے کمتر مجھے سمجھا ہے اور تو مخلوق سے شرم کرتا ہے اور مجھ سے شرم نہ آئی۔''

جبکہ تصدیق بالقلب کرنے والا مومن جسے معرفت نصیب ہو چکی ہے، ہر لمحے اپنے ارد گرد اللہ کی ذات کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

﴿ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ

ترجمہ: تم جدھر بھی دیکھو گے اللہ کا چہرہ نظر آئے گا۔

پس اب وہ صغیرہ گناہ کا ارتکاب کرتے ہوئے بھی ہزار بار خوف کھاتا ہے اور اگر اس سے کچھ گناہ ہو جائے تو ہزار بار توبہ و استغفار کرتا ہے اور عاجزی کے باعث اللہ اس کے اور قریب ہوتا ہے۔ اصل ایمان والا شخص اللہ کی پکڑ سے پہلے ہی اپنا محاسبہ کرتا رہتا ہے۔ یوں غیب یعنی اللہ کی ہر جگہ موجودگی، آخرت کے آنے پر اور آخرت کے اس دنیا سے بہتر جگہ ہونے پر یقینِ کامل ہی انسان کو اس دنیا میں گناہ سے محفوظ رکھتا ہے، اس دنیا میں دل لگانے سے روکتا ہے اور اس کے دل میں صرف اللہ کی محبت اور صرف اللہ کے خوف کو

مضبوط کرتا ہے۔ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''عارف (اللہ کو دیکھ کر اس کی عبادت کرنے والا) ہر لمحہ دو آنکھوں سے متردد رہتا ہے۔'' (الفتح الربانی)

اسی یقین کے باعث کہ اللہ اس کے سامنے موجود ہے، اس کی عبادات بھی کامل ہوتی ہیں۔ وہ اللہ کو دیکھ کر اس کی عبادت کرتا ہے اور ویسی ہی عبادت کرنے کی کوشش کرتا ہے جیسی اللہ چاہتا ہے۔ اگر نہ کر پائے تو اللہ اس کے انتہائی قریب ہونے کی وجہ سے خود اسے اپنی اصلی عبادت کا صحیح طریقہ سکھا دیتا ہے۔

اسی یقین کے باعث وہ ہر مصیبت میں صبر کرتا ہے۔ اللہ مصیبت میں اس کے اور بھی نزدیک ہوتا ہے، وہ اس حقیقت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے کہ اللہ ہر لمحے اس کے ساتھ ہے، اس کا حامی و ناصر ہے۔ وہ اکیلا نہیں ہے بلکہ اس کا اللہ اس کا دوست اس کے ساتھ ہے۔ پس اس کے لیے مصیبت بھی عنایت بن جاتی ہے جس نے اس کے دوست کو اس کے اور بھی قریب کر دیا۔ وہ واضح طور پر اللہ کو اپنے مصائب کے حل کے اسباب پیدا کرتے ہوئے دیکھتا ہے یوں اس یقین کے باعث اس کا توکل اور ایمان مزید مضبوط ہوتا ہے۔

حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

❁ محاسبہ کے بعد یقین کو لازم پکڑو کیونکہ یقین ایمان کی اصل ہے۔ بغیر یقین کے نہ فرض ادا کیے جائیں گے اور نہ یقین کے بغیر دنیا میں زہد کیا جائے گا۔ (الفتح الربانی)

❁ اے اللہ کے بندے تو ایسے ایمان کا محتاج ہے جو کہ تجھے اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلائے اور ایسے یقین کا محتاج ہے کہ جو تجھے اس کی راہ میں ثابت قدم رکھے۔ (الفتح الربانی)

❁ تم حقیقی اسلام حاصل کرو تاکہ تم ایمان تک پہنچ جاؤ پھر ایمان کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو تاکہ تم درجہ ایقان تک پہنچ جاؤ۔ پس اس وقت تمہیں وہ چیزیں نظر آنے لگیں گی جو اس سے پہلے تم نے نہ دیکھی ہوں گی اور وہ تمہیں تمام اشیاء کو حقیقی صورتوں میں دکھائے گا۔ خبر معائنہ (مشاہدہ) بن جائے گی۔ وہ یقین قلب کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں لے جا کر کھڑا کرے گا اور سب چیزوں کو اسی کی طرف دکھائے گا۔ (الفتح الربانی)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منافق (جو زبان سے ایمان کا اقرار کرے اور دل میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بجائے دنیا کی محبت بسی ہو) کے متعلق فرماتے ہیں کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں:

۱۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔
۲۔ جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے۔
۳۔ جب امانت دی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

اسی طرح مومن، جس کی زبان پر بھی اللہ کا ذکر ہو اور دل میں بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سچی محبت اور ان کا نور جلوہ گر ہو، جس کا ظاہر و باطن ایک ہی ہو، کی بھی تین نشانیاں ہیں:

۱۔ جب بات کرے تو سچ بولے۔
۲۔ جب وعدہ کرے تو پورا کرے۔
۳۔ جب امانت دی جائے تو اس کا خیال رکھے اور اسے بحفاظت واپس کرے۔

سب سے پہلی بات اور سب سے پہلا وعدہ جو ہماری ارواح نے اللہ تعالیٰ سے کیا، وہ ازل میں جب اللہ تعالیٰ نے ہم سے پوچھا تھا کہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں؟ کے جواب میں ہمارا قَالُوْا بَلٰی کہنا تھا۔ ہم نے صرف اللہ کو ہی اپنا رب مانا تھا۔ اس اقرار میں ہم نے وعدہ کیا تھا کہ ہم اس کے سوا کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے، کسی کی محبت کو اس کی محبت پر حاوی نہ آنے دیں گے، اس کے سوا کسی سے امید نہ رکھیں گے، ہر حالت میں اسی کی طرف رجوع کریں گے۔ اسی اقرار اور وعدے سے خوش ہو کر اللہ نے اپنے نور کی امانت ہمیں سونپی تھی جو ہر انسان کے قلب میں محفوظ ہے۔ جس کی حفاظت کی پہلی شرط یہی تھی کہ ہم اپنے مندرجہ بالا اقرار پر قائم رہتے لیکن عالم ازل میں ہی جب اللہ نے ان ارواح کی آزمائش کے لیے دنیا اور اس کی نعمتیں ان کے سامنے پیش کیں تو دس میں سے نو حصے ارواح اپنی بات اور اپنے وعدے سے پھر گئیں اور اللہ کو چھوڑ کر دنیا اور اس کی محبت میں مبتلا ہو گئیں۔ بقیہ ایک حصہ ارواح میں سے نو حصہ ارواح جنت اور اس کی نعمتیں دیکھ کر اس کی طرف متوجہ ہو گئیں اور اللہ سے اپنا وعدہ توڑ دیا۔ پس جن لوگوں نے اللہ سے کیے ہوئے اپنے پہلے وعدے کو ہی پورا نہ کیا اور ان کے منہ سے نکلی ہوئی پہلی بات ہی جھوٹ ثابت ہوئی ان سے دنیا میں آنے کے بعد کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ جو اللہ سے مخلص نہیں وہ دنیا میں کسی سے مخلص نہیں ہو سکتا۔ البتہ اللہ نے انہیں اپنی امانت دے کر اس دنیا کی آزمائش گاہ میں بھیج کر ایک موقع دیا تاکہ اس امانت کی حفاظت کے ذریعے وہ اپنے ایمان کو سچا ثابت کر سکیں۔ یہ امانت روح ہے جو جسم کے پردے میں چھپی ہوئی ہے جس کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

ترجمہ: اور ہم نے اپنی امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کی لیکن سب نے اس کے اٹھانے سے عاجزی ظاہر کر دی اور ڈر گئے لیکن انسان نے یہ امانت اٹھا لی بے شک انسان ظالم اور جاہل ہے۔ (الاحزاب۔72)

اب اس دنیا میں آ کر جو لوگ صرف اپنے جسم کی پرورش اور اس کو بنانے سنوارنے میں مصروف رہتے ہیں اور روح کی حفاظت کی طرف، اس کی ضرورتوں کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتے وہ اس امانت کو ضائع کر رہے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں''۔

اس روح کا رشتہ اللہ سے ہے، اس کی غذا اسم اَللّٰہُ ذات کا ذکر ہے، اس کی قوت اللہ کی معرفت و دیدار ہے۔ اس روح کو معرفت و دیدارِ الٰہی کی پاکیزہ حالت میں قائم رکھنا ایمان ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ روح کو اس کی پوشیدہ بیماریوں حسد، تکبر، عجب، بہتان، غیبت، ہوس، طمع، کینہ، بغض وغیرہ سے نجات دلا کر ذکر اَللّٰہُ کی قوت سے اللہ تک اس کو رسائی دلائی جائے جہاں وہ اس کے دیدار اور معرفت سے ایمان اور توکل کی قوت حاصل کرے۔ روح ہی غیب کا مشاہدہ کرتی ہے اور اس پر ایمان لانے میں انسان کی مدد کرتی ہے۔ جس کی روح بیمار اور اللہ کے قرب سے محروم اپنی ازل والی اصلی حالت میں موجود نہیں اس انسان کا ایمان اس وقت تک ہے ہی نہیں جب تک وہ کامل مرشد کے توسط سے اس روح کو بیماریوں سے پاک کر کے مرشد کی

مہربانی اور رہنمائی سے اسے اللہ تک واپس نہیں پہنچاتا۔ ایمان اور توکل کی دولت مرشد کامل کے بغیر حاصل ہونا ناممکن ہے۔ وہی ہے جو اللہ تک رسائی کا راستہ جانتا ہے، وہی ہے جو روح کو بیماریوں سے پاک کرنا جانتا ہے، وہی ہے جس کے پاس معرفت کی تعلیم ہے، وہی ہے جو دل کو مہذب اور درست بنانے کا طریقہ جانتا ہے، وہی ہے جو دلوں میں ایمان کو ڈالتا ہے اور غیب کا مشاہدہ کراتا ہے۔ اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''جس کا مرشد نہیں اس کا کوئی دین نہیں۔''

حدیث پاک ہے:

❁ لَا یَکْمُلُ الْمُؤْمِنُ اِیْمَانَہٗ حَتّٰی یُرِیْدُ لِاَخِیْہِ الْمُسْلِمِ مَا یُرِیْدُ لِنَفْسِہٖ ھٰذَا

ترجمہ: مومن کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی نہ چاہے جو اپنے نفس کے لیے چاہتا ہے۔

ایک مومن جب معرفتِ الٰہی کی نعمت کو حاصل کر لیتا ہے تو چاہتا ہے کہ اس کے مسلمان بھائی بھی اس نعمت سے بہرہ ور ہوں۔ ایمان کی حقیقت کو جانیں تاکہ آخرت میں اللہ کے سامنے سرخرو ہوں جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے باطنی خلفاء جو مرشدین کاملین کے مقام پر فائز ہوتے ہیں، نے تمام عمر اُمت کو معرفت کی تعلیم دینے میں گزاری۔ یہ خلفاء جب ایمان کی کاملیت تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں تو امت کو تعلیم دینا ان پر واجب ہو جاتا ہے۔ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں:

❁ جب تیرا ایمان یقین بن جائے گا، تیری معرفت علم بن جائے گی اس وقت تُو خدائی کارندہ بن جائے گا۔ (ملفوظاتِ غوثیہ)

انہی مرشدین کاملین کی باطنی امداد سے ایک مسلمان غیب پر ایمانِ کامل کے حصول کے بعد مومن کہلاتا ہے۔ اس دنیا میں مسلمان تو بے شمار ہیں لیکن مومن چند ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں صرف مومنین کی ہی مدد کا وعدہ فرمایا ہے اس لیے ہمارے زوال کی بھی اصل وجہ یہی ہے کہ ہم مسلمان ہیں مومن نہیں۔ مومن کی تو شان ہی بہت بلند ہے اور اللہ کے ہاں اس کی عزت نہایت اعلیٰ ہے۔

ایسے مومن جن کا ایمان معرفت اور یقین کے باعث تصدیق بالقلب کے مقام تک پہنچ چکا ہے، کے بارے میں حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں:

❁ حدیثِ قدسی میں اللہ فرماتا ہے ''میں نہ آسمانوں میں سماتا ہوں نہ زمینوں میں سماتا ہوں لیکن بندۂ مومن کے دل میں سما جاتا ہوں۔'' یہاں بندہ مومن سے مراد وہ شخص ہے جس کا دل صفاتِ بشریہ اور خیالِ غیر سے پاک وصاف ہو گیا ہو اور اس کے آئینہ دل میں ذاتِ حق کا عکس سما گیا ہو۔ (سرّ الاسرار)

❁ مومن غیر اللہ سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی وہ اس کے غیر سے توقع اور امیدیں وابستہ کرتا ہے کیونکہ اس کے دل اور باطن میں ایک خاص قوت عطا کر دی گئی ہے۔ مومنین اور صادقین کے دل اللہ کے ساتھ کیسے قوی نہ ہوں وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچے ہوئے ہیں اور وہ ہمیشہ اس کے پاس رہتے ہیں، صرف ان کا بدن زمین پر ہوتا ہے۔

❁ مومن شخص کا دنیا اور آخرت میں کیا اچھا حال ہے کہ کسی حالت میں کیوں نہ ہو اگر اس کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے خوش ہے تو پھر اس کو کچھ پرواہ نہیں ہوتی۔ وہ جہاں بھی اترتا ہے اپنا مقسوم حاصل کر لیتا ہے اور اس پر راضی رہتا ہے اور جدھر بھی اس کی توجہ ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے سب کچھ دیکھ لیتا ہے اور اس کے پاس اندھیرے کا وجود ہی نہیں ہوتا اور اس کے تمام اشارے اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتے ہیں اور اس کا پورا اعتماد اور توکل اللہ کی ذات پر ہوتا ہے۔ (الفتح الربانی)

حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہٗ امتِ مسلمہ کی بھلائی اور دنیوی و اخروی فلاح کے لیے انہیں حقیقی ایمان کے حصول کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

❁ اے آخرت کے اعتبار سے بیوقوفو، دیوانو اور دنیا کے اعتبار سے عقل مندو! یہ عقل ایسی ہے جو تمہیں فائدہ نہ دے گی۔ تو ایمان حاصل کرنے کی کوشش کر تجھے ایمان حاصل ہو جائے گا۔ توبہ کر، معذرت کر اور نادم ہو اور اپنی آنکھوں سے آنسو اپنے رخساروں پر بہا۔ (الفتح الربانی)

❁ اَللّٰھُمَّ قَوِّ اَدْیَانَنَا وَ اِیْمَانَنَا وَ اَبْدَانَنَا بِقُرْبِکَ وَ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

ترجمہ: اے اللہ ہمیں اپنا قرب عطا فرما اور ہمارے دین اور ایمان اور بدنوں کو اپنے قرب کی قوت عطا فرما اور ہمیں دنیا میں (ایمان کی) بھلائی دے اور ہمیں آخرت میں (اپنے قرب کی) بھلائی دے اور ہمیں (اپنی ناراضگی کے) عذاب سے بچا۔ (آمین)

فرمانِ باھوؒ

یاد رکھ کہ ظاہری کعبہ وہ ہے جسے ابراہیمؑ خلیل اللہ نے آب و گل سے تعمیر کیا اور باطنی کعبہ وہ ہے جسے ربِ جلیل نے جان و دل سے پیدا کیا۔ پس ظاہری حاجی کا لباس ریا وغیرہ کا سات رنگا لباس ہے اور اُس کا دل سخت پتھر کی مثل ہے جب کہ باطنی حاجی کا دل قلب سلیم ہے جو اُس وقت تک نفس کے خلاف محوِ جہاد رہتا ہے جب تک کہ حاجی کا ظاہر و باطن ایک نہیں ہو جاتا۔ اسلام کے ظاہری و باطنی دونوں طریق مسلمان کے لیے بال و پر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب تک وہ ظاہر و باطن کے دونوں قدم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم پر نہیں لے جاتا نفاق سے باہر نہیں نکل سکتا۔ جب تک وہ نفاق سے باہر نہیں نکلتا وہ مومن مسلمان حاجی اور ذاکرِ قلبی کہاں ہو سکتا ہے۔ (محک الفقر کلاں)

مرتبۂ نعم البدل

احسن علی سروری قادری

اکثر لوگوں کا یہ ماننا ہے کہ ہر چیز بدل سکتی ہے اور اگر کچھ نہیں بدل سکتا تو وہ فطرت ہے۔ جو انسان جیسی فطرت لے کر پیدا ہوتا ہے وہی فطرت لے کر مر جاتا ہے۔ حالات کے پیشِ نظر اس میں وقتی بدلاؤ تو آسکتا ہے مگر اس کی اصل فطرت وہی رہتی ہے جیسی فطرت لے کر وہ پیدا ہوا اور جو اس کی شخصیت کا خاصہ ہے۔ اسی طرح انسان جس قسم کے ماحول کا پروردہ ہوتا ہے اُسی طرح کی عادات کا حامل ہو جاتا ہے اور حالات اور ماحول کے بدلنے سے وہ بظاہر تو ویسا ہی رہتا ہیں مگر اپنی فطرت کا اظہار نہ ہونے پر بے چینی محسوس کرتا ہیں جیسے ایک دیہاتی ماحول کا عادی شہری شور شرابہ اور رونق دیکھ کر پریشان ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے کچھ عرصہ شہر میں رہنے سے وہ اس کا عادی ہو جائے مگر اس کی اصل وہی دیہاتی پن ہے اور اسی ماحول میں جا کر وہ سکون محسوس کرے گا اور ویسی خوشی اُسے کہیں اور میسر نہیں آسکتی۔ انسان کی فطرت میں جو خوبیاں اور خامیاں ہوتی ہیں وہ وقت اور اچھے ماحول کے ساتھ مزید نکھر کر سامنے آجاتی ہیں مگر بدلتی نہیں۔

مگر اس بات سے قطع نظر اہلِ بصیرت اور اہلِ عقیدت لوگ ہمیشہ اس بات کے قائل رہے ہیں کہ اولیاء کرام کی مجالس اور اُن کی صحبت سے انسان کی شخصیت پر ایسے مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں اور ان کی فطرت اس حد تک بدل جاتی ہے کہ ان کے پرانے جاننے والے حیران رہ جاتے ہیں۔

بڑے بڑے شرابی، جواری، سود خور، چور، ڈاکو، نشئی غرض ہر طرح کی برائی رکھنے والے لوگ کسی مرشد کامل کی نگاہ کے فیض سے اس حد تک بدل گئے کہ ان کو جاننے والے سب لوگ حیران رہ گئے اور اس سوچ میں پڑ گئے کہ کوئی اتنا بھی بدل سکتا ہے۔۔۔ مرشد کامل اکمل کی نگاہ سے فیض پانے والے ولایت کے اعلیٰ ترین مقامات پر پہنچے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہِ کاملہ سے صحابہ کرامؓ کی زندگیاں ہی بدل گئیں۔ اُن میں موجود تمام برائیاں نہ صرف ختم ہوئیں بلکہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ کاملہ کا ہی عکس بن کر رہ گئے۔ غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ کے سفرِ بغداد کے دوران قزاقوں کا پورا گروہ ان کے سردار سمیت حضور غوث پاک رضی اللہ عنہٗ کے حسنِ اخلاق اور ان کی نگاہِ کامل کے پڑنے سے تائب ہوا اور ولایت کے اعلیٰ درجات پر پہنچا۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ جو فقہ کے امام ہیں، ابتدا میں اولیاء کرام کے مخالف تھے، جب وہ حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ کی بارگاہ میں پہنچے اور حقیقت تک رسائی حاصل کی تو پکار اٹھے کہ اگر وہ حضرت بشر حافیؒ کی بارگاہ تک نہ پہنچے ہوتے تو ضائع ہو چکے ہوتے۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ کچھ عرصہ بہلول دانا کی صحبت میں نہ رہتے تو وہ اس مقام تک ہرگز نہ پہنچ پاتے۔

بقول اقبالؒ:

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

اگر اللہ پاک کسی پر اپنا فضلِ خاص اور کرم فرمائے اور وہ اپنے گناہوں پر پشیمانی کے باعث اللہ کے قرب کے حصول کے لیے کسی مرشد کامل اکمل کی تلاش میں نکلے جو اس کی باطنی رہنمائی کر سکے اور اس کی روحانی بیماریوں کا علاج کر سکے تو بعض ظاہر پرست پیر جو خود تو کسی مقام و مرتبے پر نہیں پہنچے ہوتے، ان طالبوں سے بھی یہی کہتے ہیں کہ پہلے وہ شریعت کے پابند بنیں اور فلاں فلاں برائی ترک کریں اور فلاں فلاں عادت اپنائیں تو پھر ان کو بیعت کیا جائے گا اور ان کی رہنمائی کی جائے گی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ طالب پہلے سے ہی شریعت اور حقیقت کے اسرار و رموز جانتا ہوتا تو مزید رہنمائی کے لیے کسی مرشد کے پاس کیوں جاتا۔ اور اگر اس میں برائیوں کو ترک کرنے کی صلاحیت اور طاقت ہوتی تو وہ مرشد کی تلاش میں کیوں نکلتا۔ ایسے جعلی پیر اپنے ظاہر پر تو پرہیزگاری اور نیک نامی کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں مگر اندر سے ان کی فطرت اور عادات و خصائل بد ہی رہتے ہیں اور ان کا کام لوگوں کو مزید گمراہ کر کے اللہ سے دور کرنا ہوتا

ہے۔ خود کو بہت نیک اور پرہیزگار ظاہر کرتے ہیں مگر اندر سے ویسے ہی کمینہ خصلت ہوتے ہیں۔ لیکن اس پُر فریب اور دھوکہ کے زمانے میں حق کی تلاش میں نکلنے والے یا خود کو گناہوں سے بچانے کی کوشش کرنے والے لوگوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیوں کہ ہر زمانے میں ایک ایسا ولی کامل مرشد کامل اکمل موجود ہوتا ہے جسے نیک لوگوں اور مریدوں یا مسلمانوں کی تلاش نہیں ہوتی بلکہ اس کا در تو ہر ایک کے لیے کھلا ہوتا ہے چاہے وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو اور کتنا ہی گناہگار کیوں نہ ہو۔ اس کا کام ہی دنیا سے عاجز اور ہر طرف سے ٹھکرائے ہوئے اور گناہوں کی غلاظت سے لتھڑے ہوئے لوگوں کو اپنی پاک پناہ میں لینا ہے، اُن کی رہنمائی کرنا ہے، ان کو پاک صاف کر کے ان کے خصائلِ ذمیمہ و رذیلہ کو خصائلِ حمیدہ میں بدلنا ہے، گناہوں کو نیکیوں میں بدلنا ہے اور مزید گناہوں سے بچانا ہے۔ اس عمل کے دوران مرشد اس کی شخصیت کو بدل دیتا ہے اور اس کے بدلہ اس اُسے نئی شخصیت عطا کرتا ہے یہی نئی شخصیت مرتبہ نعم البدل ہے جس میں مرشد اُس کے قلب کو نئی زندگی اور اس کی باطنی حالت کو بدترین صورت سے تبدیل کر کے بہترین صورت عطا کرتا ہے۔

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ترجمہ: ''ہم نے انسان کو بہترین صورت پر تخلیق کیا اور پھر اسے اسفل سافلین کی طرف بھیج دیا'' (التین۔4,5)۔ انسان بچہ کی صورت میں جب اس دنیا میں وارد ہوتا ہے تو اس کی باطنی صورت و شخصیت بہترین، پاک اور شفاف ہوتی ہے لیکن پھر اس کا ماحول، دنیا کی لذتوں کی رغبت و لالچ، کبھی ارد گرد کے لوگوں کی بدسلوکیاں اور کبھی بے جا لاڈ پیار، نفس اور شیطان کے پے در پے حملے اس کی بہترین باطنی صورت کو مسخ کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اس کا نفس میلا، اس کی روح لاغر و کمزور اور باطن حق سے دور اور پریشان ہو جاتا ہے۔ اگر وہ کسی مرشد کامل اکمل کے در پر نہ پہنچ پائے اور دنیا و نفس و شیطان کے جال میں ہی الجھا رہے تو آخرت میں بھی اس کے باطن کا یہی حال ہوگا کیونکہ اس کی موت اسی باطنی بدصورتی پر ہوگی اور اسی بگڑی ہوئی روحانی شخصیت کے ساتھ وہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر پشیمانی و ندامت اور افسوس کے سوا کچھ حاصل نہ کر پائے گا۔ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں مقبولیت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ بندہ اپنی باطنی روحانی شخصیت کو نکھارنے اور اس کو اسی حالت میں واپس لانے کی کوشش کرے جس پر اللہ تعالیٰ نے اسے تخلیق فرمایا تھا تاکہ روزِ قیامت وہ اسی احسن صورت میں اللہ کی بارگاہ میں پیش ہو کر ندامت سے بچ سکے۔

یہ حقیقت ہے کہ دنیا میں کسی بھی انسان کو اپنے قلب و باطن اور روح پر اختیار حاصل نہیں۔ لہٰذا ہر ایک کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے باطن کی درستی اور قلب کی زندگی کے لیے ایسے مرشد کامل کو تلاش کرے جو روح و باطن کے اسرار و رموز سے واقف ہو اور ان پر اس قدر اختیار رکھتا ہو کہ ان کی تمام خامیاں، بیماریاں، کجیاں اور کمیاں دور کرنے کا علم اور صلاحیت اور تصرف رکھتا ہے۔ ایسا کامل مرشد ہی اللہ کے حکم یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ (ابراہیم۔48) ترجمہ: ''اور جس دن یہ (قلب کی) زمین نئی زمین سے بدل دی جائے گی'' کے مطابق اس کے قلب و باطن کو ایک نئی جہت، نیا رُخ اور نئی صورت عطا کرتا ہے جو بالکل اس صورت جیسی ہوتی ہے جس پر اللہ نے اس شخص کو تخلیق کیا تھا، اس کے سب ٹیڑھے پن دور کر دیتا ہے، سب میل صاف کر دیتا ہے اور آئندہ کے لیے بھی اسے شیطان، نفس اور دنیا کے حملوں سے محفوظ کر دیتا ہے۔ اس کی نئی شخصیت اللہ اور رسول اللہ کی بارگاہ میں حاضری کے لائق بنا کر اسے مجلسِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں پیش کرتا اور وہاں کی دائمی حضوری دلواتا ہے۔ اس کے قلب و باطن کو آئینۂ حق تعالیٰ بنا کر دیدار و وصالِ الٰہی کی منزل پر بھی پہنچا دیتا ہے جس کے بعد طالب کو حیاتِ جاودانی حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ بدبخت سے نیک بخت، شقی سے سعید، راندۂ درگاہ سے مقبولِ بارگاہِ خداوندی اور فانی سے باقی بن جاتا ہے۔ یہی مرتبہ اصل نعم البدل ہے۔

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُوؒ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ کیا تُو جانتا ہے کہ زندگیٔ قلب کہاں سے نصیب ہوتی ہے؟ زندگیٔ قلب اُسے نصیب ہوتی ہے جسے مصطفی علیہ الصلوٰۃ والسلام دستِ بیعت فرما لیتے ہیں۔ کیا تجھے معلوم ہے کہ زندگیٔ قلب کہاں سے حاصل ہوتی ہے؟ زندگیٔ قلب اُسے حاصل ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کا منظورِ نظر ہو جائے۔ کیا تو جانتا ہے کہ زندگیٔ قلب کسے حاصل ہوتی ہے؟ زندگیٔ قلب اسے حاصل ہوتی ہے جس کا باطن آباد اور دل مکمل طور پر صاف ہو جائے۔ کیا تُو جانتا ہے کہ زندگیٔ قلب کسے حاصل ہوتی ہے؟ سن ذاکرِ قلبی ہی لقائے الٰہی سے مشرف ہو کر زندگیٔ قلب پاتا ہے۔ جس کا دل زندہ ہو جائے وہ ہوا و ہوس سے پاک ہو جاتا ہے اور وہ ذاکرِ قلبی بن کر ادب و حیا سے زندگی گزارتا ہے۔ یہ بیل و گدھے جیسے احمق انسان نما حیوان زندہ دل کہاں ہو سکتے ہیں کہ یہ سیم و زر اور دنیا مردار کے طالب ہیں۔

❁ اہلِ قلب ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں منظور ہو کر مجلسِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر رہتے ہیں۔ جان لے کہ آدمی کے وجود میں نفس مثلِ یزید کے ہے، قلب اسعد و سعید ہے اور روح مثلِ بایزیدؒ ہے اور انسان کا مقصود علمِ لدنی اور مرتبۂ نعم البدل کے ذریعے سرِّ توحید کا حصول ہے اور مرتبۂ نعم البدل فقیر کامل کی توجہ سے جاری ہوتا ہے۔ توجہ کے کیا معانی ہیں۔ توجہ رخ کو کہتے ہیں اور رُخ چہرے کو کہتے ہیں اس لیے جب کوئی صاحب توجہ کسی پر توجہ کرتا ہے تو اسے اپنے روبرو کر کے اُسے اس کے مطلب و مقصود تک پہنچا دیتا ہے اور جو ایسا نہیں کر سکتا وہ مرتبۂ نعم البدل اور توجہ سے بے خبر ہے۔

ہر کہ نعم البدل را دریافتہ
ہر مقامی قید باخود ساختہ
ہر حقیقت را تناسد از خدا
دائماً ہم صحبتی با مصطفیؐ

ترجمہ: جو شخص مرتبۂ نعم البدل حاصل کر لیتا ہے وہ ہر ایک مقام پر متصرف ہو جاتا ہے اور تمام اسرارِ خداوندی سے واقف ہو کر ہر وقت مجلسِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر رہتا ہے۔

گنج بخشد مرشدی کامل عطا
سبق خواہد طالبی از کیمیا
سیماب را کشتہ کند کامل نظر
نظر کامل بہ بود نظر از خضر

ترجمہ: مرشد کامل اکمل طالب کو کیمیائے اکسیر عطا کر کے خزائن الٰہی بخش دیتا ہے۔ کامل کی نظر پارے کو کشتہ بنا دیتی ہے کیونکہ کامل کی نظر خضرؑ کی نظر سے بڑھ کر ہے۔

مرشد کامل کے اختیار میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ تقدیر کے لکھے ہوئے کو اور فطرت کو بدل سکتا ہے جیسا کہ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھوُ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

زباں تاں میری کُن برابر موڑاں کم قلم دے ھُو

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھوُ رحمتہ اللہ علیہ کے فرمان کا یہی مطلب ہے کہ ان کی زبان میں اتنی طاقت ہے کہ وہ تقدیر کے لکھے ہوئے کو بدل سکتی ہے اور واقعی ایسا ہی ہوا کہ آپ رحمتہ اللہ علیہ کی نگاہ کاملہ سے بہت سے شقی (بدبخت) سعید (نیک بخت) ہوگئے اور فقر کے اعلیٰ مقام کو پہنچے۔

مرشد کامل اکمل اپنی نگاہ کاملہ سے طالب کے اندر موجود ہر برائی کو اس طرح سے ختم کر دیتا ہے کہ جیسے وہ اس کے اندر موجود ہی نہ تھی۔ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھوُ رحمتہ اللہ علیہ اپنے پنجابی ابیات میں فرماتے ہیں:

کامل مرشد ایسا ہووے، جیہڑا دھوبی وانگوں چھٹے ھُو
نال نگاہ دے پاک کریندا، وچ سجی صبون نہ گھتے ھُو
میلیاں نوں کر دیندا چٹا، وچ ذرا میل نہ رکھے ھُو
ایسا مرشد ہووے باھوؒ، جیہڑا لوں لوں دے وچ وسے ھُو

مفہوم: مرشد کامل ایسا ہوتا ہے جو طالب کو اس طرح سے صاف کرتا ہے جیسے دھوبی کپڑے کو صاف کرتا ہے اور طالب کو خصائل رذیلہ سے صاف کرنے کے لیے مرشد کو کسی شے کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ اُس کی نگاہ کاملہ ہی کیمیا کی مانند ہے جس سے وہ گناہوں کی غلاظت میں لتھڑے ہوؤں کو اس طرح صاف کر دیتا ہے جیسے کبھی گناہ کیے ہی نہ ہوں اور ایسا ہی مرشد ہوتا ہے جو طالب کو نعم البدل کے طور پر اپنی ذات عطا کر دیتا ہے اور طالب کے لوں لوں میں سما کر طالب کو اپنی ہی طرح مکمل کر دیتا ہے۔

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھوُ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مرشد وانگ سنارے ہووے، جیہڑا گھت کٹھالی گالے ھُو
پا کٹھالی باہر کڈھے، بندے گھڑے یا والے ھُو

یعنی جس طرح سنار سونے کو کٹھالی میں ڈال کر پگھلا دیتا ہے اور پھر نئے سرے سے اس کو مختلف صورتوں میں ڈھال کر اس کے زیور تیار کیے جاتے ہیں اسی طرح مرشد کامل اکمل بھی طالب کے باطن میں ایسی ہی توڑ پھوڑ کا عمل شروع کرتا ہے اور اس کے باطن میں موجود غیر اللہ کے بتوں کو توڑتا ہے تاکہ اُس کو نئے سرے سے رضائے الٰہی کے مطابق تیار کیا جا سکے۔

سلطان العارفین رحمتہ اللہ علیہ نے مرشد کے لیے مختلف اصطلاحات استعمال کی ہیں:

❁ مرشد کمہار کی مثل ہوتا ہے مٹی کی کیا مجال کہ اس کے سامنے دم مارے۔ کمہار مٹی کو اپنی مرضی سے گوندھتا ہے اور پھر اس سے نئے برتن تیار کرتا ہے۔ اسی طرح مرشد بھی طالب کو اس کی صلاحیتوں کے مطابق تیار کرتا ہے۔

❁ مرشد رنگریز کی مثل ہوتا ہے جو طالب کے پرانے اور بوسیدہ رنگ کے اوپر ایک نیا رنگ چڑھاتا ہے جسے قران میں صبغتہ اللہ یعنی اللہ کا رنگ کہا گیا ہے۔

❁ مرشد تنبولی کی مثل ہوتا ہے جو پان کے خراب پتوں کو چھانٹ کر صاف پتے الگ کر لیتا ہے۔ مرشد بھی طالب کو برائیوں سے الگ کر دیتا ہے۔

❁ مرشد طبیب کی مثل ہوتا ہے جو طالب کو کڑوی کسیلی دوائیں دیتا ہے اور اس کے بیمار نفس کو تندرست کرتا ہے اور اسے ایک نئی زندگی عطا کرتا ہے۔

انسان کی تمام زندگی میں ہی خیر و شر کی کشمکش چلتی رہتی ہے۔ کبھی خیر غالب آ جاتا ہے اور کبھی شر۔ یعنی انسان خیر و شر کا مجموعہ ہے۔ خیر غالب آ جائے تو وہ مظہر رحمٰن ہے اور اگر شر غالب آ جائے تو وہ شیطان کا مظہر ہے۔ طالب دنیا کی زندگی کا خاتمہ شر پر، اور طالب عقبیٰ کی زندگی کا خاتمہ خیر و شر کے بین بین ہی چلتا رہتا ہے۔ صرف طالبان مولیٰ ہی وہ خوش قسمت ہوتے ہیں جو خیر پر بقا حاصل کرتے ہیں۔ مرشد کامل اکمل کا ایک اصول ہے کہ اس کا انداز تربیت بالکل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ کے مطابق ہوتا ہے اور وہ طالب کے وجود میں موجود شر کو مغلوب کرتا ہے اور آہستہ آہستہ اپنی صفات خیر سے متصف کرتا جاتا ہے۔ ان صفات سے متصف ہونا ہی مرتبہ نعم البدل ہے کیونکہ اس کے خصائل رذیلہ کو ختم کرنے کے بدلے میں طالب کو اوصاف حمیدہ سے نوازا جا رہا ہوتا ہے۔ اور جس طرح ایک نیا مکان تعمیر کرنے کے لیے پہلے سے موجود بوسیدہ مکان کی عمارت کو گرا کر نئے سرے سے تعمیر کیا جاتا ہے اسی طرح طالب کی پہلے والی شخصیت کو باطنی طور پر فنا کر دیا جاتا ہے اور اس کے متبادل کے طور پر طالب کو ایک نئی شخصیت عطا کی جاتی ہے۔

مرتبۂ نعم البدل دو طرح کا ہوتا ہے مرتبۂ نعم البدل عام اور مرتبۂ نعم البدل خاص۔ مرتبۂ نعم البدل عام مرشد اپنے ہر طالب کو عطا کرتا ہے اور اس کی باطنی شخصیت میں سے شر کو مکمل طور پر نکال کر اسے خیر کی صورت عطا کرتا ہے اور شر کے مکمل خاتمے کے بعد مرشد طالب کو اپنی صفات سے متصف کرتے کرتے کسی ایک صفت میں کامل کر دیتا ہے اور وہ طالب اُسی صفت کا مظہر ہوتا ہے۔ جبکہ مرتبۂ نعم البدل خاص صرف ایک طالب خاص کے حصے میں آتا ہے جو مرشد کا محرم راز ہوتا ہے اور وہ ہو بہو مرشد کی ذات کی حقیقت اور اس کا بدل ہوتا ہے اور مرتبۂ نعم البدل خاص کا جامع مظہر ہوتا ہے۔ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھوُ رحمتہ اللہ علیہ اسی حوالے سے فرماتے ہیں:

جے تُوں چاہیں وحدت رب دی، مَل مرشد دیاں تلیاں ھُو
مرشد لطفوں کرے نظارہ، گل تھیون سبھ کلیاں ھُو
انہاں گلاں وچوں اِک لالہ ہوسی، گل نازک گل پھلیاں ھُو

میرے مرشد پاک حضرت سخی سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس نے اس بیت کی شرح اپنی تصنیف مبارکہ ''شمس الفقرا'' میں اس طرح فرمائی ہے ''اے طالب حق! اگر تُو وحدت حق تعالیٰ (فنا فی اللہ بقا باللہ یعنی کامل مرتبہ نعم البدل)

بقیہ صفحہ نمبر 13

مرشدِ کامل
دینِ کامل

مفتی محمد فاروق ضیا سروری قادری

چیست دین؟ دین کیا ہے؟

دریافتن اسرارِ خویش
زندگی مرگ است بے دیدار خویش

ترجمہ: اپنے اندر اپنی پہچان حاصل کر لینا دین ہے، اپنی معرفت کے بغیر زندگی موت ہے۔

اقبالؒ فرماتے ہیں:

دین سراپا سوختن اندر طلب
انتہایش و آغازش ادب

ترجمہ: دین اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی طلب میں خود کو پُر سوز اور پُر درد بنانا ہے۔ اس کی انتہا عشق اور ابتدا (مرشد کا) ادب ہے۔

حضرت علامہ اقبالؒ اصل میں یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ جو بندہ اپنے اندر اللہ کے راز یعنی بھید کو پالیتا ہے وہی اصل میں دین دار ہے۔ اس حقیقت کو قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:۔

۞ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ط (سورۃ روم۔30)

ترجمہ: پس اپنا منہ دینِ حنیف (یعنی دینِ اسلام) کی طرف جھکاؤ۔

دینِ اسلام کیا ہے۔ پس اللہ کی فطرت ہے جس پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ انسان کو کس فطرت پر پیدا کیا گیا ہے، جس کا نام دین ہے۔

حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۞ اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَ اَنَا سِرُّہٗ

ترجمہ: انسان میرا راز ہے اور میں اس کا راز یعنی بھید ہوں۔

انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا راز ہے۔ یعنی اللہ کی ذات اس کے اندر پوشیدہ ہے اس پوشیدہ راز یعنی ذاتِ حق تعالیٰ کو اپنے اندر تلاش کر کے پالینا، اس کا دیدار حاصل کر کے اسے پہچان لینا ہی دین ہے۔ پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کی سوانح حیات پر مبنی کتاب ''مہر منیر'' میں شیخ ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ کا قول نقل ہے کہ اسلام کیا ہے؟

''ظاہری نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ یعنی شریعتِ مطہرہ کے ارکان کو ظاہری طور پر اپنا لینا اسلام ہے''۔

پھر فرماتے ہیں کہ ایمان کیا ہے؟

''اپنے دل کو ماسوی اللہ سے پاک کر لینا ایمان ہے۔''

مزید فرماتے ہیں دین کیا ہے؟

''اسلام اور ایمان کے مجموعے کا نام دین ہے۔''

یعنی شریعت کے ساتھ ساتھ قلبی ذکر کرتے ہوئے اپنے دل سے غیر اللہ کو نکال کر اللہ تعالیٰ کی پہچان و معرفت حاصل کر لینے والا دین دار ہے۔ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

باھوؒ نماز، روزہ بسیارِ طاعت
از آں بہتر بود دل ذکر ساعت

ترجمہ: اے باھو نماز، روزہ اور کثرتِ طاعت سے لمحہ بھر کا قلبی ذکر بہتر ہے۔

حدیثِ پاک میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانِ مبارک ہے:

۞ اَلسَّلَامَۃُ فِی الْوَحْدَۃِ وَالْاٰفَاتُ بَیْنَ الْاِثْنَیْنِ

ترجمہ: ''وحدت میں سلامتی ہے اور دو (یعنی دوئی) میں آفات ہیں۔'' یعنی صاحبِ دین وہ ہے جو اپنے اندر حقیقی توحید کو پا کر اور اللہ تعالیٰ کی پہچان و معرفت حاصل کر کے اس میں فنا ہو جائے ورنہ وہ دین کی روح سے دور ہے۔

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

۞ بشنوائے صاحبِ قلب!

دل کعبۂ اعظم است بکن خالی از بتاں
بیت المقدس است مکن جائے بت گراں

ترجمہ: سن اے صاحبِ دل! دل کعبۂ اعظم ہے اس کو بتوں سے پاک کر کہ دل بیت المقدس ہے اس کو بتوں کی دکان مت بنا۔ (عین الفقر)

قضا شوی مزاز چوں اصل فانی
چو دریا ہر چہ باشی میدان کہ عین آنی

حضور سلطان العارفینؒ فرماتے ہیں کہ تو اپنے آپ کو فانی سمجھ کیونکہ حقیقت میں تو فانی ہے۔ جو چیز بھی دریا کے اندر آجاتی ہے وہ اپنا وجود کھو دیتی ہے اور عین دریا ہی باقی رہتا ہے۔

۞ اِذَا بَلَغَ الطَّالِبُ فِیْ هٰذِهِ الْمَنْزِلَةِ لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا هُوَ

ترجمہ: جب طالب اس منزل پر پہنچتا ہے تو ھُو کے سوا کچھ موجود نہیں رہتا۔

اے عزیز! طالب کو چاہیے کہ کلمہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ ''نہیں کچھ موجود سوائے اللہ کے، محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کے رسول ہیں'' میں اس قدر غرق ہو جائے کہ خود فنا ہو جائے جب وہ مقام فنا پر پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مراتب کے مطابق اس پر بلند مقامات کو کھول دیتا ہے اور طالبِ مولیٰ اپنے محبوب اور مطلوب کو اپنی ذات میں ہی دیکھتا ہے۔ (کلید التوحید کلاں) اور یہی وہ راز ہے جس کو پا کر بندہ دین کی حقیقت کو پا کر معراجِ انسانیت پر فائز ہو جاتا ہے۔

حدیث مبارکہ میں فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے:

۞ قَائِلُوْنَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ كَثِيْرًا وَّ الْمُخْلِصُوْنَ قَلِيْلٌ

ترجمہ: لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ (زبانی طور پر) کہنے والے بہت ہیں لیکن خلوصِ دل سے کہنے والے تھوڑے ہیں۔

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھوُ رحمتہ اللہ علیہ اپنے پنجابی ابیات میں فرماتے ہیں:

زبانی کلمہ ہر کوئی پڑھدا، دل دا پڑھدا کوئی ھُو
جتھے کلمہ دل دا پڑھیے، اُتھے ملے زبان ناں ڈھوئی ھُو
دل دا کلمہ عاشق پڑھدے، کی جانن یار گلوئی ھُو
ایہہ کلمہ مینوں پیر پڑھایا باھوؒ، میں سدا سوہاگن ہوئی ھُو

اس بیت میں سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھوُ رحمتہ اللہ علیہ مندرجہ بالا حدیث کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ زبانی اقرار تو ہر شخص کرتا ہے اور لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ پڑھتا ہے لیکن دل کا کلمہ صرف طالبانِ مولیٰ پڑھتے ہیں اور وہی دین کی کنہ تک پہنچتے ہیں۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ واضح رہے عوام کا رسمی طور پر کلمہ پڑھنا کچھ اور ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت وقرب حاصل کرنے والوں کا کلمہ پڑھنا کچھ اور ہے۔ دل کا کلمہ پڑھنے والے طالبانِ مولیٰ ہی توحید سے آگاہ ہوتے ہیں۔ جو طالب ہر غیر ماسویٰ اللہ سے نجات حاصل کر کے کلمۂ توحید کو نفی کی کنہ سے پڑھتا ہے اور لَآ اِلٰهَ کہتا ہے وہ بیخود ہو جاتا ہے اور مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کے مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے اور نفس کو فنا کر دیتا ہے پھر جب اثبات اِلَّا اللّٰهُ کہتا ہے تو روح کو بقا حاصل ہوتی ہے اور دین کی کنہ یعنی اللہ کی ذات کو پا کر اللہ پاک کی دید میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ اور جب طالب مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتا ہے تو صاحب حضوری ہو جاتا ہے۔ اس قسم کا کلمہ پڑھنا اہلِ تصدیق کو حاصل ہے۔ حدیث پاک میں بھی فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے ''اے علیؓ اپنی آنکھیں بند کر اور اپنے دل میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ سن''۔ اس کلام کے آخری مصرعہ میں سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھوُ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کلمہ کی کنہ تک مرشد کامل پہنچاتا ہے اور اس طرح پہنچاتا ہے کہ طالب کو سعادتِ ابدی حاصل ہو جاتی ہے۔ ایسا کلمہ پڑھنے والوں کی شان میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ بِلَا حِسَابٍ وَّ لَا عَذَابٍ ترجمہ: ''جس نے ایک دفعہ بھی (خلوصِ دل سے) لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ کہا وہ بغیر حساب و کتاب اور بغیر عذاب کے جنت (قرب) میں داخل ہو گیا۔

قلبی ذکر سے دل کی طہارت اور روح کی بیداری نصیب ہوتی ہے جس سے بندہ اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت و پہچان حاصل کر لیتا ہے اور یہی اصل دین ہے ورنہ بے روح ظاہری عبادات بے سود ہیں۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ جس طرح ہم اپنے گھر کے باہر والے حصہ کو چار دیواری کہتے ہیں اور اندر والے حصہ کو گھر کہتے ہیں اور گھر کے اندر کمرہ ہوتا ہے جس میں اصل چیز یا خزانہ ہوتا ہے اسی طرح انسانی وجود کے باہر والا جسمانی حصہ چار دیواری ہے اس کے اندر دل گھر ہے اور دل کے اندر روح کمرہ ہے اور اس میں اللہ کی ذات جلوہ گر ہے۔ لہٰذا اسمِ اعظم (اسم اَللّٰهُ ذات) کے ذکر، تصور اور مرشد کامل نور الہدیٰ کی نظرِ شفقت سے قلب اور روح کا بند قفل کھلتا ہے جس سے طالب مولیٰ اپنے اندر اللہ پاک کی ذات کی معرفت و پہچان حاصل کر لیتا ہے اور طالب مولیٰ پر رازِ باری تعالیٰ عیاں ہو جاتا ہے اور اس راز کو پا لینا ہی دین ہے۔ اس حقیقت کو سلطان العارفینؒ اپنی کتاب عین الفقر میں یوں بیان فرماتے ہیں ''یاد رکھ اے طالب مولیٰ! یہ فقیر باھوُ کہتا ہے کہ راہِ حق کے طالبوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نہ تو مشرق و مغرب میں ملتا ہے نہ شمال و جنوب میں، نہ ہی چاند، سورج میں، نہ ہی آگ و مٹی اور ہوا و پانی میں اللہ ملتا ہے، اور نہ ہی شب و روز میں ملتا ہے اور نہ ہی گفتگو و قیل وقال میں ملتا ہے نہ تحصیلِ علم اور نہ ہی جہالت میں ملتا ہے اور نہ وقت و حال و صورت و جمال میں ملتا ہے، نہ ہی ورد و وظائف میں ملتا ہے، نہ تسبیح و حروف میں ملتا ہے، نہ زہد و تقویٰ اور پارسائی میں ملتا ہے، نہ ہی در بدر کی گدائی میں ملتا ہے، نہ دلق پوشی میں ملتا ہے اور نہ ہی لب بستہ خاموشی میں ملتا ہے۔ دانا بن اور یاد رکھ کہ اللہ تعالیٰ کا راز صرف صاحبِ راز کے سینے میں پنہاں ہے۔ اگر تو آئے تو دروازہ کھلا ہے اور نہ آئے تو اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔'' (عین الفقر)

صاحبِ راز سے مراد ''انسانِ کامل'' یعنی مرشد کامل اکمل نور الہدیٰ ہے۔ اس لیے حضور سلطان العارفینؒ اپنے پنجابی کلام میں فرماتے ہیں:

نہ رب عرش معلّیٰ اُتے، نہ رب خانے کعبے ھُو
نہ رب علم کتابیں لبھا، نہ رب وچ محرابے ھُو
گنگا تیرتھیں مول نہ ملیا، مارے پینڈے بے حسابے ھُو
جد دا مُرشد پھڑیا باھوؒ، چھُٹے سب عذابے ھُو

سلطان الفقر ششم حضرت سخی سلطان محمد اصغر علیؒ فرماتے ہیں: ''تو اپنے اندر اپنی حقیقت تلاش کر۔ تیری حقیقت تو وہ ذات ہے جو تیری شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ تیری اپنی ذات ہی کی تلاش میں تجھے وہ ذات مل جائے گی اور اس ذات کا بندے کو اپنے اندر سے مل جانا ہی تو دین کی حقیقت یعنی روحِ قدسی کو پانا ہے۔'' آپؒ مزید فرماتے ہیں ''اگر تو باطن کا بند قفل کھولنا چاہتا ہے تو اس کی کلید کسی مرد کامل (مرشد کامل اکمل) سروری قادری سے حاصل کر اور باطن کے بند

قفل کو کھولنے والی چابی اسمِ اَللّٰہُ ذات ہے۔''

حضرت سیدنا بلھے شاہ صاحبؒ اپنے کلام میں اس حقیقت کا یوں اظہار کرتے ہیں:۔

جس پایا بھید قلندر دا
راہ کھوجیا اپنے اندر دا
اُوہ واسی ہے سکھ مندر دا
جتھے چڑھدی اے نہ لہندی اے
ایہہ تلکن بازی ویہڑا اے
تھم تھم کے ٹرو اندھیرا اے
وڑ اندر ویکھو کیہڑا اے
کیوں خلقت باہر ڈھونڈیندی اے
منہ آئی بات نہ رہندی اے

ایسے مرشد کامل اکمل نورالہدیٰ کے بارے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حدیثِ پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

۞ لَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا شَیْخَ لَہٗ

اس شخص کا دین ہی نہیں جسکا شیخ (مرشد کامل) نہیں۔ اب اس حدیث کی رُو سے دیکھنا یہ ہے کہ دین تو اپنے اندر راز یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت و پہچان پالینا ہے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے ہیں کہ اس شخص کا دین ہی نہیں جسکا مرشدِ کامل نہیں۔ تو اس کا مطلب ہے کہ مرشد کی ذات ہی دین ہے۔ یہاں اس مرشد کی بات ہو رہی ہے جو مظہرِ ذاتِ الٰہی ہے اور فنافی اللہ بقاباللہ کے مقام پر فائز ہے۔ اور ایسا مرشد ہی بندے کو اس کے اندر سے اللہ کی معرفت و پہچان کرا سکتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

۞ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ O (الذاریات۔21)

ترجمہ: اور میں تمہارے نفس یعنی تمہارے اندر ہوں کیا تم غور سے نہیں دیکھتے۔

نحن اقرب کہندا اکہند اسونٹرا ساڈے ویہڑے آیا
حبل الورید دی سیج وچھا کے ساڈھے اندر ڈیرہ لایا
فی انفسکم دی شمع جلا کے ساڈا لوں لوں آ چمکایا
اعظم یار وسے وچ گھر دے اساں ایویں شور مچایا

مفہوم: اس بیت میں حضرت سخی سلطان پیر سیّد محمد بہادر علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ نے قرآنِ پاک کی مختلف آیات سے بندے اور اللہ کے قرب کی انتہا کو واضح کیا جیسا کہ وہ فرماتا ہے میں تمہارے قریب ہوں، پھر فرماتا ہے کہ شہ رگ کے پاس ہوں اور پھر فرماتا ہے میں تو تمہارے اندر ہوں جس سے تمہارے باطن میں روشنی ہے۔ یارِ حقیقی تو ہمارے اندر ہے ہم اسے باہر ڈھونڈنے کے لیے بے وجہ ہی پریشان ہو رہے ہیں۔

'سلطان الوھم' میں حضرت سخی سلطان باھوؒ فرماتے ہیں:

۞ طالب کو چاہیے کہ اپنے اقوال اور افعال اور احوال میں استقامت پیدا کرے اور اپنے قالب (ظاہری جسم) کو فاعلِ حقیقی (اللہ تعالیٰ کی ذات) کے مطابق ڈھالے کیونکہ ''لَا فَاعِلَ فِی الْوُجُوْدِ اِلَّا اللّٰہ'' ترجمہ: اللہ کے سوا وجود میں کوئی فاعل (کام کرنے والا) موجود نہیں ہے اور دائمی دریائے قرب کی محبت میں رہے۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (سورۃ ق۔16)

ترجمہ: جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تو شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔

حدیثِ مبارکہ ہے کہ تَنْعَمْ لِیْ وَ سِرِّیْ اَنَا خَیْرٌ لَکَ مِنْ کُلِّ مَا سِوٰی

ترجمہ: میں اور میرا سِرّ (بھید، راز) تیرے لیے خیر ہے اور میں تیرے لیے ماسوئی ہر چیز سے بہتر ہوں۔'' (سلطان الوھم)

اللہ تعالیٰ کی ذات ہر انسان کے اندر موجود ہے لیکن اس ذات تک رسائی صرف اس کی ہوتی ہے جو اس راہ کا رفیق یعنی مرشد کامل تلاش کرتا ہے۔ حدیثِ مبارکہ ہے:

۞ اَلرَّفِیْقُ ثُمَّ الطَّرِیْقُ

ترجمہ: پہلے رفیق تلاش کرو پھر راستہ چلو۔

مزید حدیث پاک میں فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے

۞ مَنْ مَاتَ وَ لَیْسَ فِیْ عُنُقِہٖ بَیْعَۃٌ مَاتَ مَیْتَۃً جَاھِلِیَّہ

ترجمہ: ''جو شخص اس حالت میں مرا کہ اس کی گردن میں کسی مرشد کامل کی بیعت نہیں وہ جہالت کی موت مرا۔'' ان احادیث کی ترجمانی کرتے ہوئے شہبازِ عارفاں پیر سیّد محمد بہادر علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ اپنے کلام میں فرماتے ہیں:

الف اللہ دی خبر نہ بھلیاں نوں، بھلے پیر توں رب توں بھل گئے
رفیق بناں طریق ناہیں اُوجھڑ جنگل دے وچ رُل گئے
ہویا علم حجاب کبیر اکبر تولے نفس ہوا دے تُل گئے
سید سلطان محمد بہادر شاہؒ جنہاں پیر پالیا آپ جزتے ہوا وہ گُل گئے

مفہوم: اسم اَللّٰہُ سے غافل لوگوں کو اللہ کی کچھ خبر نہیں اور جنہوں نے مرشد کامل کا ہاتھ نہ تھاما وہ اللہ کی ذات تک نہ پہنچ پائے اور اسی دنیا کی بھول بھلیوں میں گم ہو گئے کیونکہ مرشد کامل کی رہنمائی کے بغیر راستہ نہیں چلا جا سکتا۔ جنہوں نے بغیر مرشد کے یہ راہ طے کرنے کا دعویٰ کیا وہ راہ سے بھٹک گئے اور انہوں نے اپنے علم پر غرور کیا اور اس علم پر تکبر کی بنا پر وہ اللہ سے دور ہو گئے۔ آخر میں آپؒ خود کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جنہوں نے مرشد کامل اکمل کا ساتھ پا لیا اور اس کی حقیقت سے واقف ہو گئے وہ آئے تو نامکمل تھے مگر حقیقت سے آشنائی کے بعد وہ مکمل ہو گئے۔

لہٰذا مرشد کامل ایسا ہو جو طالب و مرید کو اپنی نگاہِ کامل سے دین کی حقیقت و روح عطا کر دے یعنی اسے اللہ تعالیٰ کی پہچان و معرفت کرا دے اور ایسے مرشد کے بارے میں حضور سلطان صاحبؒ فرماتے ہیں۔

مرشد کامل ایسا ہووے، جیہڑا دھوبی وانگوں چھٹے ھُو
نال نگاہ دے پاک کریندا، وچ سجی صبون نہ گھتے ھُو
میلیاں نوں کر دیندا چٹا، وچ ذرا میل نہ رکھے ھُو
ایسا مرشد ہووے باھوؒ، جیہڑا لُوں لُوں دے وچ وسے ھُو

دین تک رسائی حاصل کرنے کے لیے یعنی دین کو پانے کے لیے مرشد کی مجلس، صحبت اور رفاقت حاصل کرنا ضروری ہے اس لیے شہبازِ عارفاں پیر سیّد محمد بہادر علی شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

ش شک نہیں ہویا یک مینوں پیر پوج خدا پوجار پیارے
پیر پرست خدا پرست ہندے ایہہ عارفاں دے نروار پیارے
پیر پرتی ہے فرض پہلا پچھے واجب ذکر اذکار پیارے
سید سلطان محمد بہادر شاہؒ رہے علم گمان جنہاں اس راہ کولوں بیزار پیارے

مفہوم: مجھے اس حقیقت میں کوئی شک نہیں بلکہ یقینِ کامل ہے کہ مرشد کامل اکمل کی اطاعت و پیروی ہی اللہ کی اطاعت

و پیروی ہے کیونکہ مرشد کامل اکمل ہی اس دنیا میں اللہ کی ذات کا مظہر اور اس کی صورت کا اظہار ہے۔ مرشد صاحبِ امر ہوتا ہے اور صاحبِ امر کی اطاعت فرض ہے اور یہی عارفین کے اطوار ہیں جن کی بدولت وہ حق کی معرفت تک پہنچتے ہیں۔ اسی لیے مرشد کی اطاعت ہی پہلا فرض ہے جبکہ دوسرے واجبات کی ادائیگی بعد میں ہے۔ آخر میں حضرت سخی سلطان پیر سید محمد بہادر علی شاہ صاحبؒ فرما رہے ہیں کہ جو لوگ دین کے معاملے میں صرف ظاہری علم کی حد تک محدود ہو جاتے ہیں وہ علم ان کے لیے حجاب بن جاتا ہے اور کبھی اللہ کی ذات تک نہیں پہنچ سکتے اور نہ ہی دین کی روح حاصل کرسکتے ہیں۔

حضرت سلطان العارفینؒ بھی فرماتے ہیں۔

جے کر دین علم وچ ہوندا تاں سر نیزے کیوں چڑھدے ھُو
اٹھاراں ہزار جو عالم آہا، اگے حسین دے مردے ھُو
جے کجھ ملاحظہ سرور دا کردے، تاں خیمے تمبو کیوں سڑدے ھُو
جے کر مندے بیعت رسولیؐ، تاں پانی کیوں بند کردے ھُو
پر صادق دین تنہاں دا باھُوؒ، جو سر قربانی کردے ھُو

حضرت سلطان العارفینؒ اس کلام میں ''دین'' کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دین اگر صرف ظاہری علم (حاصل کرنے) میں ہوتا تو معرکۂ کربلا میں مقدس ہستیاں کیوں شہید ہوتیں اور ان کے سر مبارک کیوں نیزوں کی نوک پر چڑھتے۔ اس واقعۂ کربلا کے ایام میں اٹھارہ ہزار عالم جو یزیدی لشکر میں موجود تھے وہ ظالموں کے مقابلہ میں دینِ حق کے احیاء کے لیے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے جانیں قربان کر دیتے۔ اگر اس زمانہ کے عالم و فاضل اپنے دلوں میں کچھ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خیال و احترام کرتے تو (معرکۂ کربلا میں اہل بیت کے) خیمے (ظالموں کے ہاتھوں) کیوں جلتے؟ اور اگر رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیعت کو وہ لوگ جو ظاہری دین کے علم کے دعوٰی دار تھے، تسلیم کرنے والے ہوتے تو امام حسینؓ اور ان کے خانوادہ کے لیے پانی کیوں بند کرتے۔ لیکن اے باھُوؒ (صادق دین محض علم ظاہر حاصل کرنے میں نہیں بلکہ) صادق دین تو ان (مجاہدوں اور عاشقوں) کا ہے جو کہ (حفظ اور احیائے دین کے لیے) اپنا سر قربان کر دیتے ہیں۔

ظاہری علم اور عقل پر عشق کی فوقیت اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ رب العزت نے نہ تو علم کی صورت اختیار کی اور نہ ہی عقل کی صورت اختیار کی بلکہ اللہ رب العزت نے عشق کی صورت اختیار کی۔ اور عشق ہی کے ذریعے اس ذات کی معرفت یعنی دینِ حقیقی کو پایا جاسکتا ہے اور عشق مرشد کامل کی مجلس وصحبت سے نصیب ہوتا ہے۔

حضرت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

۞ عقل و دل و نگاہ کا مُرشدِ اوّلین ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بُت کدہ تصورات
نگاہِ مُرشد کامل سے عشقِ مصطفیٰؐ حاصل
خدا کا قرب دیتی ہے محبت پیر خانے کی
۞ شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب
۞ تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں
ستم ہو کہ ہو وعدۂ بے حجابی
کوئی بات صبر آزما چاہتا ہوں
یہ جنت مبارک رہے زاہدوں کو
کہ میں آپ کا سامنا چاہتا ہوں

حضرت سخی سلطان پیر سید محمد بہادر علی شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

مجرم نوں محرم پیر کرلے، بخشے جاہل نوں علم عیاں بیلی
کافر فاسق تے جیکر نظر کرلے، ہووے کامل اہلِ عرفان بیلی
وسیلہ اہلِ ایمان تے فرض ہویا، ثابت نال آیت قرآن بیلی
سلطان سید محمد بہادر شاہؒ رموز تے راز کھلن جد مرشد کرلے دھیان بیلی

مفہوم: اللہ پاک کی ذات سے غافل اور گناہ گار انسان کو مرشد کامل ہی محرم اسرار کرتا ہے اور جاہل (اللہ کی معرفت سے بے خبر) کو علمِ معرفت عطا کرتا ہے۔ جب مرشد کامل کسی کافر یا فاسق پر نظرِ کرم کرلے تو وہ بھی عرفانِ حق تعالیٰ حاصل کرنے والوں میں سے ہو جاتا ہے۔ مرشد کامل کا وسیلہ پکڑنا اہل ایمان پر فرض ہے اور یہ قرآن سے ثابت ہے۔ مرشد کی توجہ سے ہی معرفت حق تعالیٰ کے اسرار منکشف ہوتے ہیں۔

حضرت بُلھے شاہ صاحبؒ اس حقیقت کو اپنے کلام میں یوں بیان فرماتے ہیں:-

ہادی مینوں سبق پڑھایا اوتھے غیر نہ آیا جایا
مطلق ذات دکھایا وحدت پایا شور
رہیا نہ میرا نام نشانی مٹ گیا جھگڑا شور
ہن مینوں کون پچھانے ہن میں ہوگئی نی کجھ ہور

حضرت سخی سلطان باھُوؒ فرماتے ہیں:

جاگ بناں دُدھ جمدے ناہیں باھُو بھانویں لال ہوون کڑھ کڑھ کے ھُو

اس کلام کی شرح کرتے ہوئے سلطان الفقر ششم حضرت سخی سلطان محمد اصغر علیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح ایک عورت سارا دن ایک گائے کی خدمت کرتی ہے، اُسے چارا بھی ڈالتی ہے، پانی بھی پلاتی ہے اور سارا دن خدمت کرنے کے بعد شام کو اسکا دودھ دوہ کر ایک برتن میں رکھ لیتی ہے اور ساری رات اس کے پاس بیٹھ کر رکھوالی کرتی ہے لیکن صرف ایک کام نہیں کرتی کہ اسے جاگ نہیں لگاتی تو کیا دن اور رات کی محنت سے دودھ دہی بن جائے گا؟ نہیں۔ وہ دودھ دہی بننے کی بجائے خراب ہو جائے گا اور اس کی وہ محنت کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ اسی طرح آپؒ فرماتے ہیں کہ یہ ظاہری اعمال نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج جو دین کے ارکان ہیں، دودھ کی مثل ہیں جب تک ان کو مرشد کامل کی جاگ نہیں لگتی یہ اعمال کوئی فائدہ نہیں دیں گے۔ اگر آج کوئی دین کی حقیقت یعنی ذاتِ الٰہیہ کی معرفت و پہچان اور اس کا بھید پانا چاہتا ہے تو ایسا مرشد کامل تلاش کرے جو مظہرِ ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی ہو اور مظہرِ ذاتِ الٰہیہ بھی ہو۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نورانیت اور حقی صورت کا مظہرِ اتم ہو۔

حضرت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

بہ مصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی، تمام بولہبی است

ترجمہ: تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (مجلس محمدی) تک خود کو پہنچا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی مکمل دین ہیں۔ اگر تو ان (مجلس محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تک نہیں پہنچتا تو تیرا

سارا دین ابولہب کا دین ہے۔

یہاں پر مجلسِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا علامہ اقبالؒ کی نظر میں مطلب یہ ہے کہ تو خود کو اس مرشد کامل اکمل نور الہدیٰ تک پہنچا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نورانیت اور حقی صورت کا مظہر ہے۔ ایسے مرشد کامل کی صحبت و مجلس کا نصیب ہونا اور اس کی مجلس میں بیٹھنا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس میں بیٹھنا ہے۔

اس لیے اللہ رب العزت نے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا ہے

۞ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ط وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (النساء۔59)

ترجمہ: پیروی کرو اللہ کی اور پیروی کرو اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی اور اس کی جو تم میں صاحبِ امر ہو۔

یہاں پر اولی الامر سے مراد (انسانِ کامل) یعنی مرشد کامل اکمل نور الہدیٰ ہے۔

سلطان العارفینؒ اپنی کتاب عین الفقر میں فرماتے ہیں۔

چار بودم سہ شُدم اکنوں دویم
و ز دوئی بہ گزشتم و یکتا شدم

ترجمہ: پہلے میں چار تھا پھر میں تین ہوا پھر میں دو ہوا اور پھر جب دوئی سے بھی نکل گیا تو یکتا بخدا ہو گیا۔

آپؒ اپنے اس کلام میں فرما رہے ہیں کہ پہلے پہل میں چار تھا، مراد یہ ہے کہ ایک میری ذات، دوسری میرے مرشد کی ذات اور تیسری میرے آقا محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات اور آخر میں اللہ تعالیٰ کی ذات۔ جب میں فنافی الشیخ ہوا تو تین رہ گیا اور جب فنافی الرسول ہو گیا تو دو رہ گیا اور جب فنافی اللہ ہو گیا تو یکتا ہو کر سراپا توحید ہو گیا۔

یعنی توحید تک پہنچنے کے لیے فنافی الشیخ ہونا پہلا قدم ہے۔ شیخ چونکہ پہلے ہی فنافی الرسول اور فنافی اللہ کے مقام پر ہوتا ہے اسی لیے طالب فنافی الشیخ کے مرتبے میں کامل ہوتے ہی فنا فی الرسول اور فنافی اللہ ہو جاتا ہے۔

اسی کے متعلق حضرت علامہ اقبالؒ اپنے انداز میں ارشاد فرماتے ہیں۔

۱) اقبال تیری دید قابلِ دید ہو گئی
جب سے سنا ہے یار لباسِ بشر میں ہے

2) پیر کامل صورتِ ظلِ الٰہ
یعنی دید پیر دید کبریا

مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

بشکلِ شیخ دیدم مصطفیٰؐ را
نہ دیدم مصطفیٰؐ را بل خدا را

حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ کامل کی صورت میں مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا ہے۔ صرف مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہی نہیں بلکہ خدا کو بھی دیکھا ہے۔ یہاں آپؒ فرما رہے ہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات اور اللہ تعالیٰ کی ذات مرشد کامل کی صورت میں ملی ہے۔ پس یہاں تک پہنچنا ہی اصل دین دار ہونا ہے۔

حضور غوث صمدانی محبوب سبحانی سیّدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں ''مرشدانِ کامل کی مجالس کو اختیار کر کیونکہ انکی مجلس اختیار کرنے سے حلاوت اور مٹھاس حاصل ہوتی ہے۔ اور ان کی نورانی صحبت اور مجلس میں انسانوں کے قلوب کے اندر اللہ تعالیٰ کی خالص محبت کے چشمے جاری کیے جاتے ہیں جن کی قدر و قیمت صرف وہی جانتے ہیں جن کو ذکر اللہ (ذکرِ اسمِ اَللّٰہُ ذات) کی توفیق حاصل ہو چکی ہو۔'' (الفتح الربانی)

سلطان العارفینؒ طالب و مرشد کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''مرشد درخت کی مثل ہوتا ہے جو موسم کی سردی گرمی خود برداشت کرتا ہے لیکن اپنے زیرِ سایہ بیٹھنے والوں کو آرام و آرائش مہیا کرتا ہے۔ مُرشد کو دشمنِ دنیا اور دوستِ دین ہونا چاہیے اور طالب کو صاحبِ یقین جو مرشد پر اپنی جان و مال قربان کرنے سے دریغ نہ کرے۔ مرشد کو نبی اللہ کی مثل ہونا چاہیے اور طالب کو ولی اللہ کی مثل۔'' حضرت سخی سلطان باھُوؒ مزید فرماتے ہیں: ''جاننا چاہیے کہ طالب اللہ کے لیے فرضِ عین ہے کہ پہلے مرشد کامل کی تلاش کرے خواہ اسے مشرق سے مغرب اور قاف سے قاف تک ہی کیوں نہ ڈھونڈنا پڑے۔'' (قربِ دیدار)

جب طالب مولیٰ کی رسائی ایسے مرشد تک ہو جاتی ہے تو طالب کو چاہیے کہ اپنے دل کو اس محبوبِ حقیقی کی بارگاہ میں پیش کردے تاکہ دین کی روح یعنی دیدارِ الٰہی کی نعمتِ عظمیٰ سے مستفیض ہو سکے۔

قرآنِ پاک میں فرمانِ الٰہی ہے:

۞ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ

(پس تو جدھر دیکھے گا تجھے اللہ کا چہرہ نظر آئے گا) کے مصداق پھر وہ جدھر بھی دیکھے گا اسے نورِ توحید ہی نظر آئے گا۔ سلطان العارفینؒ دیدار نورِ توحید کے متعلق فرماتے ہیں:

طالب دیدار با دیدار بر
جز خُدا دیگر نہ بیند با نظر
ہر طرف بینم بیابم حق ز حق
با مطالعہ دائمی دل دم غرق

ترجمہ: طالبِ دیدار کو چونکہ صرف دیدارِ الٰہی سے غرض ہوتی ہے اس لیے وہ اللہ کے سوا کسی چیز کو دیکھتا ہی نہیں۔ ہر لمحہ مطالعۂ دل میں غرق رہتے ہوئے وہ جدھر دیکھتا ہے اسے اللہ ہی نظر آتا ہے۔

ہرکہ ایں جائے لقائے حق نہ دید
مِثل حیواں بر زمین گاہِ مے چرید

ترجمہ: جس نے اس دنیا کے اندر اللہ تعالیٰ کی ذات کا دیدار حاصل نہ کیا وہ حیوان کی مثل ہے جو زمین پر گھاس کھا کر زندگی گزارتے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖٓ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی وَ اَضَلُّ سَبِیْلًا O ترجمہ: ''اور جو شخص رہا اس دنیا میں اندھا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔ اور بڑا گم کردہ راہ ہوگا۔'' اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ واضح طور پر فرما رہا ہے جو شخص اس دنیا میں اللہ کے دیدار یعنی دین کی روح سے اندھا رہا اور دین کی حقیقت، یعنی اللہ کی پہچان و معرفت حاصل نہ کی تو وہ آخرت میں بھی اللہ کے دیدار اور معرفت و پہچان سے اندھا رہے گا بلکہ اندھے سے بھی زیادہ گمراہ۔

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ بھی اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس نے اس دنیا میں حق کے نور کو نہ دیکھا، آفتاب ہدایت طلوع ہوا اور انھوں نے اپنی آنکھوں پر تعصب اور ہٹ دھرمی کی پٹی

باندھ لی، انہیں جب حشر کے میدان میں لا کر کھڑا کیا جائے گا تو ان کے دل کی آنکھیں تو پہلے ہی نورِ بصیرت سے محروم تھیں اب بطور سزا ان کی ظاہری آنکھیں بھی اندھی کر دی جائیں گی اور انہیں کچھ سجھائی نہ دے گا۔

حضرت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک کو سحر کر نہ سکا

آپؒ فرما رہے ہیں کہ آج کے انسان نے ظاہری علم کے بل بوتے پر چاند گاڑیاں ایجاد کر لیں جو ستاروں پر جا رہی ہیں۔لیکن وہ اپنے دل کی دنیا سے بے خبر ہے اور دل میں سفر کرنا اسے نصیب نہیں ہوا۔اس نے سورج کی شعاعوں کو تو گرفتار کر لیا ہے لیکن اس کے دل کی دنیا تاریک اور روح بے قرار ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں۔

در کنز و ہدایہ نتواں یافت خدارا
بر صحیفۂ دل بیں کہ کتاب بہ ازیں نیست

ترجمہ: کنز و ہدایہ کی تعلیم حاصل کرنے کے باوجود بندہ خدا کو نہیں پا سکتا۔اس لیے اپنے دل کی تختی پر دیکھ، اس سے بہتر اور کوئی کتاب نہیں۔

حضرت سخی سلطان باھُوؒ مزید فرماتے ہیں۔

خواہم کہ بیخ محبت اغیار برکشم
در باغ دل رہا نکنم جز نہال دوست

ترجمہ: میں نے اپنے دل سے اغیار کی محبت کا بیج نکال کر باہر پھینک دیا ہے۔کیونکہ میں اپنے دل کے باغ میں دوست کے علاوہ کوئی اور پودا نہیں لگانا چاہتا۔

یاد رکھ جس کے نزدیک ہر دو جہان کی قیمت اگر "جو" کے دانہ کے برابر نہیں تو وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کس طرح کر سکتا ہے۔اگر تو میرا طالب ہے تو پھر تیری مراد میرے علاوہ کیسے ہو سکتی ہے۔کیونکہ میں ہی تیری تمام تر مراد ہوں۔اے عزیز! تجھے پتا ہونا چاہیے کہ فنا کیا چیز ہے؟ اَلْفَنَاءُ ھُوَ الْخُرُوْجُ عَنْ صِفَاتِہٖ ترجمہ: "فنا سے مراد اپنی (بشری) صفات کو اپنے وجود سے خارج کرنا ہے"۔لہٰذا طالب کو چاہیے کہ دونوں جہان کی موجودات سے نظر ہٹا کر اپنے دل کو بینا کرے اور اپنے دل میں کسی موجود چیز کو نہ دیکھے اِلَّا وَاجِبُ الْوُجُوْدِ (سوائے واجب الوجود کے) کیونکہ تمام موجودات اور مخلوقات کا وجود واجب الوجود کی تجلیات سے ہی قائم ہے۔" (سلطان الوھم) پس اس حقیقت تک اپنے آپ کو پہنچانا ہی دین کو پالینا ہے۔

حدیثِ جبرائیل میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی زبان دُرّ فشاں سے ارشاد فرماتے ہیں ترجمہ: بندہ اپنے رب کی عبادت اس طرح کرے گویا اسے دیکھ رہا ہو۔

اور یہی اصل عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھ کر کی جاتی ہے۔اس مقام پر بندہ عارف بن کر دین میں کامل ہو جاتا ہے۔حضرت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:۔

❁ نماز اس کے نظارے کا اک بہانہ بنی
اذاں ازل سے تیرے عشق کا ترانہ بنی
❁ ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

لیکن ساتھ ہی حضرت علامہ اقبالؒ آج امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دین سے دوری پر افسوس کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں
وہ دل وہ آرزو باقی نہیں
نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں مگر تُو باقی نہیں

آج ہمارے ضمیر مردہ ہو چکے ہیں اور آج کا مسلمان دنیا کی طلب میں دین کی حقیقت یعنی اپنے اندر اللہ تعالیٰ کے راز کو کھو چکا ہے اور دنیا کی حرص و ہوس کی وجہ سے اس کی آنکھوں کے آگے ایسا پردہ آ چکا ہے کہ وہ مرشد کامل اور مرشد ناقص کی پہچان سے بھی غافل اور عاری ہے۔ایسے لوگوں کے بارے میں سلطان العارفینؒ بھی اپنی کتاب عقلِ بیدار میں فرماتے ہیں:

"جو طالب لائق و نالائق مُرشد میں تمیز نہیں کر سکتا وہ خود احمق ہے اور ایسا طالب آخر کار محروم رہ جائے گا۔طالب ہونا بڑا مشکل ہے۔بے حیا اور بے ادب طالب سے ایک دن کا آشنا کتا بہتر ہے۔"

آپؒ مزید فرماتے ہیں:

"مجھے ایسے طالبوں پر تعجب آتا ہے کہ زبان پر حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا ذکر ہے اور دل میں فرعون کا سا نفاق، زبان پر تو حضرت ابراہیمؑ کا سا کلام جاری ہے اور دل میں نمرود کا سا حسد بھرا ہوا ہے۔اور زبان پر تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کلام ہے اور دل میں ابوجہل کی سی غیریت ہے جیسا کہ فرمانِ حق تعالیٰ ہے فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ فَزَادَھُمُ اللّٰہُ مَرَضًا ترجمہ: ان کے دل میں بیماری ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اور بھی بڑھا دیا ہے۔

سلطان العارفینؒ فرماتے ہیں:

خندہ با برسینہ صافاں میکنی ہشیار باش
ہر کہ بر آئینہ خندہ درویش خندی خود کند

ترجمہ: ارے تو اہلِ صفا پر ہنستا ہے۔خبردار! جو کوئی آئینے کے روبرو ہو کر اس کی ہنسی اُڑاتا ہے وہ اپنی ہی ذات کی ہنسی اُڑاتا ہے۔

آیئے آج آپ کو تحریک دعوتِ فقر یہ دعوت دیتی ہے کہ حسد، بغض، انا کی عینک اتار کر اور ان تمام تفرقوں سے نکل کر تحریک دعوتِ فقر کے جھنڈے تلے جمع ہو کر اپنے اندر سے اس راز کو پانے کی کوشش اور سچی طلب کریں جو اصل میں دینِ حنیف ہے۔

تحریک دعوتِ فقر آپ کو اللہ تعالیٰ کے اس آفاقی حکم کے تحت دینِ حقیقی اختیار کرنے کی دعوت دیتی ہے:۔

فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ ط پس دوڑو اللہ کی طرف (الذاریات۔50)
اَتَصْبِرُوْنَ وَ کَانَ رَبُّکَ بَصِیْرًا O (الفرقان۔20)

ترجمہ: آیا تم صبر کیے بیٹھے ہو؟ (اور اللہ کی طرف بڑھنے کی کوشش نہیں کر رہے ہو؟) حالانکہ تمہارا رب تمہاری طرف دیکھ رہا ہے اور تمہارا منتظر ہے۔

❁ ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
❁ دُنیا کو ہے اس مہدی برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگہ زلزلہ عالمِ افکار

مرشد

ڈاکٹر صفدر محمود

سچی بات یہ ہے کہ میں روحانی موضوعات پر لکھنے کا اہل نہیں لیکن کبھی کبھار مہربانوں کا اصرار خامہ فرسائی پر مجبور کر دیتا ہے۔ مرشد ایک ایسا لفظ ہے جو ہمارے معاشرے میں اس قدر معروف ہے کہ اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ مرشد صرف روحانی راہنما ہی نہیں ہوتا بلکہ روحانی تربیت بھی کرتا ہے اس لیے مرشد میں ان دونوں صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہوتا ہے کہ وہ راہنمائی بھی کرے اور ساتھ ساتھ تربیت بھی۔ گویا مرشد ایک طرح کا وسیلہ ہوتا ہے ورنہ تو ہر شے منجانب اللہ ہے اور وہ جیسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ شیخ ذوالفقار احمد نے اپنی کتاب 'تصوف و سلوک' میں اس کی یوں وضاحت کی ہے ''مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جہاد کرے''۔ مرشد عالم حضرت خواجہ غلام حبیبؒ اپنے بیانات میں اس آیت کے تحت فرماتے ہیں ''آسمان سے بارش کون برساتا ہے؟ اللہ مگر بادل وسیلہ بن جاتا ہے، اولاد کون دیتا ہے؟ اللہ، مگر ماں باپ وسیلہ بن جاتے ہیں۔ دل میں انوارات کون ڈالتا ہے؟ اللہ، مگر پیر و مرشد اس کا وسیلہ بن جاتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو'' صفحہ (36)۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مرشد کا سچا اور کامل مرشد ہونا ضروری ہے اور اس کی پہچان کرنے میں زیادہ محنت نہیں لگتی اگر انسان کے دل میں لگن سچی ہو۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں روحانیت کے نام پر اور پیری مریدی کے حوالے سے لوگوں نے دکانیں کھول رکھی ہیں اسی طرح جس طرح زندگی کے باقی شعبوں میں شعبدہ بازی، دھوکہ بازی اور ملاوٹ کا سلسلہ جاری ہے۔ اس لیے اس راہ میں احتیاط پہلا قدم ہے اور یہ ایسی راہ ہے جہاں قدم قدم پر قلب انسان کی راہنمائی کرتا ہے اگر وہ صحیح معنوں میں اپنے رب سے راہنمائی مانگے۔ پیری مریدی کی تجارت کرنے والوں اور گنڈے تعویز کا کاروبار کرنے والوں نے روحانیت کے آبِ زم زم کو گدلا اور مکدر کر دیا ہے اور ان میں اکثر اس قدر تجربہ کار واقع ہوئے ہیں کہ انسان دھوکہ کھا جاتا ہے اس لیے احتیاط اور پہچان لازم ہے۔ پہچان کے حوالے سے حضرت سیّد علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''کشف المحجوب'' بہترین راہنما ہے۔ حضرت سیّد علی ہجویری نے ایک اصول واضح طور پر بیان کیا ہے کہ پہچان کے حوالے سے سب سے بڑا اصول شریعت کی پابندی ہے کیونکہ کوئی مسلمان بھی شریعت سے بالاتر نہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے یہ دیکھنا اور غور سے دیکھنا لازم ہے کہ کیا وہ شخص سختی سے شریعت کا پابند ہے اور روحانیت کے آداب کا خیال رکھتا ہے۔ ذرا غور کریں تو تصنع اور اصل کا فرق واضح ہو جاتا ہے اور بناوٹی پیر کا راز فاش ہو جاتا ہے۔ ہمارے ایک بزرگ کہا کرتے تھے کہ اگر کسی محفل میں بیٹھ کر آپ کا دل نیکی کی طرف راغب ہو، ذکر اذکار کی طرف میلان بڑھے تو سمجھ لیجیے کہ وہ شخص ولی اللہ ہے لیکن اگر اس قسم کی وارداتِ قلبی کا تجربہ نہ ہو تو اس کی دو وجوہ ہوتی ہیں۔ اول شیخ، شیخ کامل نہیں یا محض دکھاوے کا کھیل ہے، دوم اگر وہ صحیح معنوں میں ولی اللہ ہے تو پھر آپ پر توجہ نہیں۔ توجہ حاصل کرنے کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے اور صاحب نظر جب تک آپ کے خلوص، پاکیزگی اور سچی لگن کا قائل نہیں ہوتا اس کی توجہ حاصل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اب آپ پوچھیں گے کہ خلوص اور لگن کا کیسے پتا چلتا ہے تو یقین رکھیے کہ شیخ کی نگاہ قلب پر ہوتی ہے اور اسے نہ صرف آپ کی قلبی کیفیت کا علم ہوتا ہے بلکہ آپ کے ذہن سے گزرنے والے خیالات سے بھی آگاہ ہوتا ہے۔

مشکل یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے رزق افراط سے دیا ہوا سے بھوک کا اندازہ کیسے ہو جب تک وہ روزہ نہ رکھے۔ جس شخص نے کبھی سمندر دیکھا ہی نہیں وہ سمندر کی وسعت کا اندازہ کیسے کرے گا۔ اسی لیے یہ عرض کرتا ہوں کہ اس میدان میں تجربہ اور مشاہدہ کے بغیر ان احوال کی سمجھ نہیں آتی جب تک کوئی واردات آپ پر نہ بیتی ہو آپ اس واردات کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ اس لیے جب روشن خیال لوگ روحانی معاملات کا تمسخر اڑاتے ہیں اور بعض اوقات دینی پس منظر کے باوجود اس کی نفی کرتے ہیں تو مجھے ان کے ساتھ ہمدردی پیدا ہوتی ہے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو اس راہ کے مسافر ہی نہیں، وہ نہ کبھی اس کے متلاشی ہوئے اور نہ ہی کبھی ولی کامل سے پالا پڑا، اس لیے ان سے انکار ان کا حق ہے۔ انہوں نے کبھی روزہ رکھا ہی نہیں وہ بھوک کا اندازہ کیسے کریں، انہوں نے کبھی سمندر دیکھا ہی نہیں وہ پانی کی وسعت اور بیکراں وسعت کا تصور کیسے کریں؟ اس لیے ان کی بے خبری اور تمسخر سے رنجیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں۔

بات ہو رہی تھی توجہ کی، یہ مسئلہ بڑا نازک اور وضاحت طلب ہے کہ لوگ ولی کامل کی مجلس میں رہنے کے باوجود کیوں محروم رہتے ہیں؟ میں نے خود دیکھا ہے کہ ایک ہی ولی کے قدموں میں بیٹھنے والے کچھ حضرات نامراد رہتے ہیں اور کچھ حضرات بامراد ہو جاتے ہیں۔ جن کو شیخ کی توجہ ملی ان کے باطن کا گند صاف ہو گیا اور جن کے قلوب پر شیخ کی نگاہ نہیں پڑی وہ بدستور تاریک یا نیم تاریک رہے۔ ویسے تو یہ اپنے اپنے نصیب کی بات ہے لیکن اس نصیب کو بنانے یا سنوارنے میں انسان کا اپنا خلوص، قلبی لگن اور محنت خاصا اہم کردار سرانجام دیتی ہے۔ میں نے ایک ایسا نیم مجذوب بھی دیکھا جس کے پاس آنے والے کچھ عقیدت مند اسے ولی کامل سمجھتے تھے۔ ان کی مرادیں پوری ہوتیں اور انہیں راہنمائی اور توجہ بھی ملتی تھی اور کچھ حضرات اس کی حالتِ ظاہری دیکھ کر شاکی ہو جاتے تھے۔ جس دل میں شک پیدا ہو جائے وہ بہرحال نگاہ اور توجہ کا اہل نہیں رہتا۔ دوسری طرف شیخ کی نگاہ انسان کے قلب پر ہوتی ہے اور وہ اس کی تمام کیفیات سے آگاہ ہوتا ہے اسی لیے عرض کرتا ہوں کہ راہِ سلوک کے راہیوں اور مسافروں میں خلوص اور لگن بنیادی شرائط ہیں۔ شکر الحمد للہ مجھے ایسی ہستیوں کے قدموں میں بیٹھنے کا موقع ملا جہاں آپ کے ذہن میں اٹھنے والے سوال کا جواب اسی لمحے اور فوراً مل جاتا تھا اور بعض اوقات انسان حیرت زدہ رہ جاتا تھا کہ انہیں فوراً اس بات کا پتہ کیسے چلا جو آپ کے نہاں خانہ دل میں تھی۔ ان کی تفصیلات میں جانا مناسب نہیں سمجھتا اور نہ ہی میں اس کا اہل ہوں لیکن اگر شیخ آپ کی قلبی کیفیت کو سمجھ جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شیخ کامل ہے اور آپ کو اس کی توجہ بھی حاصل ہے۔ یاد رکھیے کہ روحانی ہستیوں کا مقصد صرف اور صرف شریعت پر اپنی اصل روح کے ساتھ عمل کروانا ہوتا ہے۔ وہ نمود و نمائش سے دور بھاگتے ہیں اور وہ ہر قسم کے طمع سے پاک ہوتے ہیں۔

مرشد اور مرید کے درمیان عشق اور محبت کا رشتہ اتنا مضبوط اور گہرا ہوتا ہے کہ اس کے سامنے دنیاوی رشتے ہیچ ہوتے ہیں۔ حضرت سلطان باھوؒ جیسے ولی کامل مرشد کے دیدار کو لاکھوں حجوں سے تشبیہہ دیتے ہیں۔

مرشد دا دیدار ہے باھوؒ، مینوں لکھ کروڑاں حجاں ھُو

اور میاں محمد بخشؒ جیسے ولی اللہ کہتے ہیں کہ میں تو گلیوں کا کوڑا کرکٹ تھا مجھے سائیں نے محل میں بٹھا دیا۔ مطلب یہ کہ میں تو گلی کی خاک تھا لیکن مرشد کی نظر نے مجھے خاک سے اٹھا کر عرش پر بٹھا دیا۔ حق یہ ہے کہ مرشد کا ملنا امر ربی ہے، خوش قسمتی ہے اور مرشد قلبی خلوص، لگن اور محنت کے بغیر نہیں ملتا، جب سچا مرشد مل جائے تو پھر وہ مرید کے احوال پر نظر رکھتا ہے اور دراصل مرشد کامل وہی ہوتا ہے جو مرید کے احوال پر نظر رکھے، جہاں اس سے لغزش ہو اسے طریقے سے تنبیہ کرے اور راہِ راست پر لائے۔ یہی وہ تربیت ہے جو گلی کے کوڑے کو محل میں بٹھا دیتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ناپاک زمین کے پاک ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اتنی بارش برسے کہ گندگی کو بہا لے جائے، دوسرا اتنا سورج چمکے کہ نجاست کو جلا دے اور اس کا نام و نشان مٹا دے۔ اسی طرح قلب کی زمین کے لیے دو چیزیں ہیں۔ ایک ذکرِ الٰہی جس کی مثال بارش کی سی ہے۔ دوسرا شیخ کامل جس کی مثال سورج کی سی ہے۔ ذکر سے دل صاف ہوتا ہے اور شیخ کامل کی توجہات سے بھی۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہیں کامل مرشد ملتے ہیں اور خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں مرشد کو پانے کی امنگ، آرزو اور تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ (بشکریہ روزنامہ جنگ لاہور۔ 8 فروری 2013)

فرمانِ باھُوؒ

مرشد باجھوں فقر کماوے، وِچ کفر دے بُڈے ھُو
شیخ مشائخ ہو بہندے حجرے، غوث قطب بݨ اُڈے ھُو
تسبیحاں نَپ بَہن مسیتی جویں، مُوش بہندا وَڑ کھُڈے ھُو
رات اندھاری مشکل پینڈا باھُوؒ، سَے سَے آون ٹھُڈے ھُو

انسان بغیر مرشد کامل کی راہنمائی کے نہ صرف وصالِ حق سے محروم رہتا ہے بلکہ بعض اوقات کفر میں مبتلا ہو کر خدا کی ہستی کا ہی منکر ہو جاتا ہے کیونکہ جب اسے اپنی ''عقلی جدوجہد'' سے خدا کا وصال نصیب نہیں ہوتا تب وہ سمجھ لیتا ہے کہ اللہ کی ہستی ہی نہیں ہے یوں وہ کفر کے اندھیروں میں گم ہو جاتا ہے۔ یا زائد عبادات کے باعث انا پرستی اور خود پرستی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور رجوعاتِ خَلق کا شکار ہو کر زیادہ سے زیادہ کسی حجرے میں پیر بن کر بیٹھ جاتا ہے اور غوث وقطب کہلانے لگتا ہے۔ کوئی تسبیح پکڑ کر یوں مسجد یا حجرے میں جا بیٹھتا ہے جس طرح کوئی چوہا بل میں دبک کر بیٹھ جاتا ہے اس طرح اپنی عبادات و ریاضت کا ڈھونگ رچاتا ہے۔ مرشد کامل کے بغیر، لاعلمی کی تاریکی میں اس دشوار گزار راستے کو طے کرنے کی کوشش کرنے والے کے نصیب میں ٹھوکریں ہی ٹھوکریں ہیں۔